بسم اللہ الرحمن الرحیم

قربانی کی شرعی حیثیت

رحمت اللہ طارق

سرسید میموریل لائبریری، باغبانپورہ لاہور

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام: قربانی کی شرعی حیثیت

مصنف: رحمت اللہ طارق

تعداد: ایک ہزار

طبع: بارسوئم جنوری 2002

ناشر: سر سیدؒ میموریل لائبریری
کالج سٹاپ، جی ٹی روڈ باغبانپورہ لاہور

مطبع نیر اسد پرنٹرز لاہور

قیمت:

ہادیٔ نوع بشر محمد رسول اللہ کے نام

☆ جنھوں نے دنیا کے اندھیرے آفاقوں، تاریک ذہنوں اور سیاہ پردوں میں اجالا کیا۔

☆ جنھوں نے اطاعت اور عبادت کو یہ جہت دیدی کہ انمیں یسر ہی یسر ہے۔

☆ جنھوں نے اعلان فرمایا کہ اسلامی عبادات دراصل ابراہیمی عبادات کی بازگشت ہیں۔

ابراہیمؑ نے اگر کہا تھا۔ اِنَّ صَلاتِی وَ نُسُکِی وَ مَحیایَ وَ مَماتِی لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِین

تو پیارے محمدؐ سے بھی کہا گیا کہ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانحر (لربک) آپ کی صلوٰۃ ہو تو رب کیلئے،

ذبیحہ ہو تو رب کے لئے اور رب کے ماسوا کے لئے ہو تو لا تأکُلوا حرام ہے (انعام، 121)

☆ جنھوں نے اپنے فرمان کے زیر و بم میں حقیقتوں کا حسن و جمال بھر کر صلوٰۃ میں بھی نور بھر دیا اور ذبائح میں بھی رنگ توحید جما دیا۔

☆ جنھوں نے برملا یہ بھی فرما دیا کہ ذبائح دراصل منزل نہیں، منزل تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں، ورنہ تو اللہ کو نہ تو تمہارے جانوروں کا گوشت و پوست پہنچتا ہے اور نہ خون کے فوارے، اسے تو تمہارے نہاں خانہ سینہ میں جاگزین دلوں کا خلوص پہنچتا ہے۔

☆ جنھوں نے اس حقیقت کبریٰ کا اعلان فرمادیا کہ ذبیحہ ذی الحج صرف حدود کعبہ میں ہے، ہر جگہ نہیں اور حدود کعبہ میں بھی اس شرط کے ساتھ کہ -- اَطعِموا القَانِعَ وَالمُعتَرَّ -- خود بھی کھاؤ اور ضرورت مندوں کو بھی کھلاؤ۔ ذبح کر کے گڑھوں میں دفنانے کی اجازت نہیں ہے۔

☆ جنھوں نے پہاڑی جھرنے ہوں یا ندیاں، کوہستان کے برستے بادل ہوں یا گلزاروں میں صبحدم پرندوں کی چہچہاہٹ انہیں گواہ بنا کر صلوٰۃ اور نحر کی اصل حقیقت بتلا دی۔

صلے اللہ علیہ وسلم۔

فہرست

(1)انتساب	3
(2)قربانی کی شرعی حیثیت	7
(3)قربانی (اکابر امت کی نظروں میں)	10
(4)قربانی واجب نہیں۔۔۔اجماع صحابہ	12
(5)اجماع امت	12
(6)قربانی سنت ہے	14
(7)قربانی سنت مگر کیسی؟	14
(8)خلفائے راشدین جان کر ''اضحیٰ'' نہیں کرتے تھے	15
(9)قربانی یا نقد رقم	16
(10)نازک مرحلہ!	17
(11)قربانی واجب؟	18
(12)نوعیت استدلال	19
(13)جائزہ	19
(14)وجہ استدلال	22
(15)تبصرہ	23
(16)قرآن سے ثبوت	23
(17)متلاشی حق کے سوالات	24
(18)طفل تسلی	26

(19) قربانی واجب ہے	27
(20) قربانی صرف مکہ سے مربوط ہے، ساری دنیا سے نہیں	29
(21) امام مالک پر بہتان	29
(22) امام محمد وامام ابو یوسف	30
(23) امام شافعی اور فرض کفایہ	31
(24) آخری ہچکی	32
(25) قربانی کا منکر اسلامی برادری سے خارج ہے؟	33
(26) تحلیل	34
(27) ثقاہت کا معیار	35
(28) سابقہ اعتراض	36
(29) یہ حدیث ارشاد پیغمبر نہیں ہے	37
(30) علامہ عینی کا تسامح	38
(31) غلط پشتیبانی	38
(32) اس حدیث پر ایک اور جرح	38
(33) مدیر شہاب	40
(34) دوسری روایت	40
(35) اس حدیث کا مفہوم	41
(36) ایک حدیث اور تین جھوٹ	42
(37) پہلا جھوٹ	43
(38) دوسرا جھوٹ	44
(39) تیسرا جھوٹ	45

(40) دوبارہ قربانی کس لئے؟	46
(41) اس حدیث کا حقیقی مفہوم	47
(42) ہماری معروضات	48
(43) عید قربان کے ذبیحہ کا تعلق اپنے "ذاتی ارادے" سے ہے	48
(44) قربانی سنت ہے مگر اختیاری	51
(45) تنکے کا سہارا	52
(46) علماء کو چاہئے کہ قربانی کرنا چھوڑ دیں	53
(47) دس کروڑ پاکستانیوں کی طرف سے ایک بکرا	54
(48) قربانی یا نمائش	56
(49) اعتراض	57
(50) امام ابن حزم کی انفرادیت	58
(51) احادیث ۔۔ گورکھ دھندا	59
(52) قربانی ہر جگہ یا صرف دامن کعبہ میں	62
(53) قول فیصل	63
(54) گوشت کھانے کے لئے ہے مٹی میں دبانے کے لئے نہیں	66
(55) قربانی کا متبادل	67
(56) قربانی جو حدود حرم سے باہر ہو	68
(57) قربانی واجب نہیں	68
(58) ایک ضروری وضاحت	69
(59) میرا مشاہدہ	69
(تمت)	70

قربانی کی شرعی حیثیت

حیات کی وحدت اپنے باطن میں مضمر نوع بہ نوع امکانات کے اظہار کے لئے کثرت نمائی کے راستے پر رواں دواں ہے اور یوں انسان کو ہر قدم پر ایک نئی صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے، انسان کی اخلاقی حس رد وقبول کا مطالبہ کرتی ہے اور اس مطالبے کا جواب ادیان کی طرف سے ایک مجمل ضابطہ حیات کی صورت میں ملتا ہے، جس کا ایک اہم پہلو ضابطہ اخلاق ہے۔ مگر انسان اپنی ذات میں، جذبات واحساسات، جبلتوں اور خواہشوں، ارادوں اور امیدوں کا ایک صد راہہ ہے، ادیان اس صد راہے کو ختم کر کے ایک ہی راہ عمل وضع کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی انسان کے فکری وعملی انتشار کو ختم کر کے اس کی تخلیقی قوتوں کو مرتکز کرنا چاہتے ہیں۔ جو لوگ ادیان کو ایک بہتر ذریعہ راہنمائی اور برتر قوت رہبری تسلیم کر لیتے ہیں وہ دو حصوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں، ایک تو وہ لوگ جو اپنی تمام تر خواہشوں اور ارادوں، اپنے جذبات ومحسوسات اور اپنی ذات کے تمام تر پہلوؤں کو ارادہ الٰہی کے سامنے ختم کر دیتے ہیں، اور عملاً اپنی ذات اور اردگرد کے احوال وظروف میں ارادۂ الٰہی کی بطور نظام زندگی کے، ترویج کرنے میں کوشاں رہتے ہیں۔

دوسرے وہ لوگ جو قولاً یا ذہنی طور پر تو کسی مذہبی عقیدے کو تسلیم کر لیتے ہیں ـــــــ لیکن اس عقیدے اور عملی زندگی کے درمیان تطبیق پیدا نہیں کرتے۔ اس دوسرے گروہ کی نفسیات عجیب وغریب ہوتی ہیں۔ ایک طرف تو انکی ذہنی وفاداری عقیدے کے ساتھ ہو لیتی ہے لیکن دوسری طرف انکی خواہش، ارادے اور سوچ کی تہذیب، عقیدے کے مطابق نہیں ہوتی اس لئے عقیدہ اور ذاتی خواہش ہر قدم پر ٹکراتے رہتے ہیں۔ چنانچہ یہاں

انسان مفاہمت کی کوئی صورت تلاش کر لیتا ہے، یعنی عقیدہ بھی برقرار رہے اور ذاتی خواہش کی تکمیل کا کوئی جواز بھی نکل آئے۔

چنانچہ پہلا گروہ اس لئے کہ زیادہ سے زیادہ عقیدت کی حقیقت کو اپنی زندگی میں راسخ کر سکے اور دوسرا گروہ اس لئے کہ اپنے اعمال کا کوئی جواز پیدا کر سکے، مختلف اوقات میں عقائد کے ماخذوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ مثلاً مسلمانوں کا ایک بہت بڑا گروہ، اکثر اس قسم کا سوال کرتا دکھائی دیتا ہے کہ فلاں مسئلہ کی ''شرعی حیثیت'' کیا ہے؟

یہاں ایک نکتے کی کی بات ملحوظ رہے کہ جس طرح ہر چیز کا ایک خارجی پیکر اور باطنی مفہوم ہوتا ہے، اسی طرح ادیان کا بھی ایک خارجی لباس اور ایک روح معنوی ہوتی ہے۔ خارجی لباس، معتقدات اور رسومات ہیں اور روح معنوی، وہ ''حقیقت'' ہے جس کو اپنی ذات میں رچانا ہی ادیان کا اصل مطالبہ ہوتا ہے۔

ہوتا یہ ہے کہ مرور زمانہ کے ساتھ خارجی لباس تو رہ جاتا ہے لیکن روح معنوی پر دبیز تہیں چڑھ جاتی ہیں اور تب لوگ اس طرح کے سوال کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ فلاں مسئلہ کی ''شرعی حیثیت'' کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم روح اسلام یا حقیقت اسلام سے آشنائی پیدا کر لیں اور اپنی سوچ اور ارادے کو اس حقیقت کے تابع کر لیں تو ایسے سوالات کا جواب خود ہمیں اپنی ذات سے ہی مل جایا کرے۔ ایک مسلمان کا کسی مسئلے کے بارے میں پوچھنا کہ اسلام اس بارے میں کیا کہتا ہے؟——— اجماع ضدین معلوم ہوتا ہے۔

اسلام کوئی دیو مالائی، افسانوی اور اساطیری مذہب نہیں اور نہ ہی یہ چند عقائد کا مجموعہ ہے، یہ تو ایک طرز احساس، طریق فکر اور انداز زندگی ہے اور مسلمان وہی ہو سکتا ہے کہ جو اس طرز احساس، طریق فکر اور انداز زندگی کا حامل ہو اور جب ہم یہ کہتے ہیں کہ کوئی انسان کسی مخصوص انداز زندگی کا حامل ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ مسائل حیات کو ایک مخصوص زاویہ نظر سے دیکھنے اور ایک مخصوص طریق کار کے ساتھ ان مسائل کو حل کرنے کا عادی ہے۔

اگر مسلمان اسلام کو ایک طرز احساس، ایک طریق فکر اور ایک انداز زندگی کے طرز پر اپنا سکتے تو اسلامی کتب خانوں میں فتاویٰ کے مجموعوں کی تعداد اتنی زیادہ نہ ہوتی اور نہ ہی مسلمانوں کو ہر بار یہ سوال تنگ کرتا کہ اسلام اس مسئلے کے بارے میں کیا کہتا ہے؟

اسلامی فکر کی تاریخ میں بہت سے مسائل کی ''شرعی حیثیت'' متعین کرنے کا مسئلہ اٹھتا رہا ہے اور اپنے اپنے دور میں، اسلام کے مزاج شناسوں نے ایسے مسائل کا حل پیش کرنے کی مساعی کیں، لیکن ان مساعی کا انبار اتنا بڑھا کہ اسلام کا ماخذ اول یعنی قرآن اور حیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم نظروں سے اوجھل ہونے لگے، اور مسائل کے استنباط میں قرآن اور قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ''اکابر امت'' کے اقوال کو اہمیت دی جانے لگی۔ چنانچہ قرآن، قول رسول اور اقوال اکابر کی اہمیت میں حفظ مراتب قائم نہ رہ سکا۔ اسی طرح سے قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایمائیت اور منشا کا تجزیہ کرنے کی کوشش بھی مفقود ہو گئی۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ تو درست ہے کہ:

(ا) کسی مسئلے کی "شرعی حیثیت" معلوم کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے کیونکہ اگر ایمائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم معلوم ہو جائے تو کشمکش ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن

(ب) یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ پیغمبر کے ذاتی افعال اور امت کے لئے طریق کار میں ایک نازک سا فرق ہے۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض معاشرتی تقاضوں کو سامنے رکھ کر چار سے زائد شادیاں کیں لیکن مسلمانوں کے لئے چار کا حکم نہیں بلکہ صرف اور محض اجازت ہے اور اس کے ساتھ ہی

(ج) یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ اجماع صحابہ اور اکابر امت نے قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمائے رسولؐ کو کس نقطہ نظر سے دیکھا اور سمجھا۔

ان امور کی روشنی میں ہم قربانی جیسے اہم مسئلے کی ''شرعی حیثیت'' کا جائزہ لیں گے۔

قربانی ــــ اکابر امت کی نظروں میں۔

فیلسوف اسلام علامہ ابن رشد اندلسی (متوفی 1198م) فرماتے ہیں کہ:

''قربانی کی پوزیشن کے بارے میں قدیم ہی سے علماء امت کا اختلاف ہے کہ یہ واجب ہے یا سنت؟------ امام مالک وشافعی تو فرماتے تھے کہ سنت ہے مگر مؤکدہ ،لیکن اس کے برعکس امام ابوحنیفہ کا ارشاد ہے کہ ہر مقیم (غیر مسافر) پر واجب ہے !! یہ قطع نظر اسکے کہ امام موصوف کے دو جلیل القدر شاگرد امام محمد اور بغداد کے چیف جسٹس قاضی ابو یوسف بھی وجوب کے قائل نہیں تھے۔''

(بدایۃ المجتہد، طبع قاہرہ 1952 جلد 415/1)

امام ابن رشد نے آگے چل کر وجہ اختلاف کے ضمن میں یہ وضاحت فرمائی ہے کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جب صیغہ امر سے ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک وجوب پر دلالت کرے گا لیکن علمائے امت کا کہنا ہے کہ اوامر نبوی ''فرداً فرداً'' ہوں خواہ بالجملہ، ان سے سنت مستحبہ کا استعمال تو ہو سکتا ہے وجوب کا نہیں۔''

اس کے بعد دوسری وضاحت اس طرح کی ہے کہ:

''قربانی کے بارے میں وارد احادیث کا مفہوم متعین کرنے میں فقہا کا اختلاف ہے اور اختلاف ہی دراصل اس کی شرعی حیثیت کو متعین کرنے میں تضاد پذیر اختلاف کا موجب بنا''۔ (18,17/415/1)

امام ابن رشد کی توضیحات سے معلوم ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی عمل اور امت کے طریق کار کے نازک فرق کو اٹھا دینے سے پہلے ہی مرحلہ پر ایمائیت رسولؐ کا منشا نا قابل فہم ہو گیا، جس کے بعد ذبیحہء مروجہ کی شرعی حیثیت خود بخود مبہم ہوتی چلی گئی۔ اور ایسا ہونا بھی ضروری تھا کیونکہ:

جوحدیث بھی مقصد اصلی (وجوب قربانی) کی طرف واضح مفہوم لے کر راہنمائی کرنے سے قاصر ہے اسے (وجوب) کی دلیل بنانا ضعیف (اور کمزور) ہے۔

(حوالہ مذکور 2،1/416/1)

غالباً اس بارے میں ایمائیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جن ذرائع سے امت نے معلوم کرلیا وہ ذرائع اس قدر پوچ اور علمی بنیادوں پر کمزور تھے کہ جلیل القدر صحابہ کرام نے بالاجماع اور آئمہ اسلام کی بھاری تعداد نے قربانی کو خالی سنت سے زیادہ اہمیت نہیں دی۔ مشکوۃ کے بڑے شارح علامہ ابوالحسن عبیداللہ اور تمام دیگر شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ ذیل کے حضرات، صحابہ و تابعین قربانی کو واجب نہیں سمجھتے تھے حالانکہ ثبوت کے لئے جیسی تیسی احادیث انہیں بھی معلوم تھیں۔ اس کے بعد نمونے کے طور پر ان کے نام اس طرح گنوائے ہیں۔

ابوبکرؓ۔ عمرؓ، بلالؓ، ابومسعود البدریؓ، سعید بن مسیّب، علقمہ، اسود، عطاء، امام شافعی، امام احمد، اسحاق، ابوثور، ابن المنذر، قاضی ابو یوسف، امام محمد، امام داؤد ظاہری، امام بخاری، ابراہیم وغیرہ۔ (شرح مشکوۃ طبع 1958--2/349/21-23)

شارح مذکور نے آگے چل کر سلف صالحین کے مسلک کی تائید مین امام بیہقی کی صحیح سند کے ساتھ لکھا ہے کہ:

عَنْ اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ اَنَّهُمَا کَانَا لَا یُضَحِّیَانِ کَرَاهَةَ اَنْ یُّظَنَّ مَنْ رَّاٰهُمَا اَنَّهَا وَاجِبَةٌ وَّکَذَالِکَ اُخْرِجَ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ وَّ بِلَالٍ وَّ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ وَّابْنِ عُمَرَ۔

یعنی خلفائے راشدین ابوبکرؓ و عمرؓ، ابن عباسؓ، بلالؓ اور ابن عمر قربانی صرف اسی ڈر کی وجہ سے کرنا مکروہ جانتے تھے کہ مبادا لوگ اس کے واجب ہونے کا عقیدہ رکھنا شروع کردیں۔ (کتاب مذکور 350/2)

قربانی واجب نہیں! اجماع صحابہ۔

مذکورہ بالا حوالہ جات سے مترشح ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سے بطور مثال کسی ایک کا نام بھی پیش نہیں کیا جا سکتا جس سے قربانی کا وجوب منقول ہو۔ تیسری اور چوتھی صدی کے مشہور امام اور مجتہد امام علی بن حزم اندلسی فرماتے ہیں کہ:

لَا يَصِحُّ عَنْ اَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ اَنَّ الضَحِيَّةَ وَاجِبَةٌ

یعنی قربانی کا وجوب کسی ایک بھی صحابی سے علمی بنیادوں پر ثابت نہیں ہے۔

(**اَلْمُحَلّٰی**، طبع 1349 جلد 7 /17/358 تا 18)

ابن حزم کی طرح ابن حجر عسقلانی اور شارح مشکوٰۃ ابوالحسن عبیداللہ نے بھی صحابہ کرامؓ سے بالاجماع یہی نقل کیا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی ذبیحہ عید قربان کے وجوب کا قائل نہیں تھا۔

ملاحظہ ہو شرح **مشکوٰۃ** مذکور 2/349/22)

اندلس کے نامور امام ابن حزم منکرین وجوب کے ضمن میں مزید ناموں کا اضافہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> سعید بن جبیر، حسن بصری، طاؤس، ابوالشعثاء، جابر بن زید، محمد بن علی، ابن الحسین، سفیان بن عینیہ، عبیداللہ بن الحسن، ابوسلیمان، شافعی، احمد اور اسحاق وغیرہ نے بھی قربانی کو واجب نہیں کہا۔

(**المحلی** 7/358/18 تا 22)

اجماع امت۔ اجماع صحابہ کے بعد اجماع امت کی چنداں اہمیت نہیں تھی تاہم موجودہ پارلیمانی اصولوں کے پیش نظر اتنا ضرور ہے کہ امت اسلام کا بیشتر حصہ قربانی کے وجوب کا ہرگز ہرگز قائل نہیں تھا۔ افسوس ہے کہ ہمارے دور کے مذہبی ادارے جن کی آمدنی کا بڑا ذریعہ چرم فروشی ہے، وہ ان حقائق سے آنکھیں موند کر، بغیر کسی مضبوط سہارے کے،

ذبیحہ عیدقربان کے وجوب پر زوردے رہے ہیں اوراہل علم کی آراءاور صحابہ کرام کے اجماع کو نظرانداز کرکے منکرین قربانی کو برے بھلے الفاظ اور خروج اسلام کے القاب سے نواز رہے ہیں، جوسراسر علمی رواداری اوراصول پرستی کے منافی ہے۔لیکن حقیقت بہرحال حقیقت تھی ، ہے اور رہے گی۔

تمام محدثین اورامام ابن حزم وضاحت فرماتے ہیں کہ:

وَ هٰذَا مِمَّا خَالَفَ فِيْهِ الْحَنْفِيُوْنَ جُمْهُوْرَ الْعُلَمَاء

یعنی قربانی ایک ایسا مسئلہ ہے جسے واجب بتلاکر حنفیوں نے تمام علمائے امت (اور جمہور صحابہ کرام) کی مخالفت کی۔ (المحلیٰ 23/358/7)

عام طور ہوتا یہ ہے کہ اجماع امت کی دھونس جما کر حقیقت پسند افراد کا ناطقہ بند کردیا جاتا ہے لیکن حقائق کی روشنی میں جب یہی وار ان پر کیا جائے تو قطعا اجماع امت کا پاس نہیں کیا جاتا۔

امام ابن حزم وغیرہ کی رائے اگرچہ مبالغہ سے خالی نہیں ہے، کیونکہ امام اعظم علیہ الرحمۃ کی طرح ثوری، مجاہد، مکحول، اوزاعی اور لیث بلکہ ایک روایت میں امام مالک بھی قربانی کو سنت موکدہ یا قریب الواجب سمجھتے تھے لیکن ایمائیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا سمجھنے میں یہ کیونکر ممکن ہے کہ تمام صحابہ کرام ؓ اورامت کے جم غفیر کے ساتھ تو خطاء اور غلطی کی نسب دی جائے لیکن دوایک بزرگوں (جن میں سے کوئی بھی صحابی کا درجہ حاصل نہیں کرسکا) کی اصابت رائے کو ایمائیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عکس یا مظہر یقین کرلیا جائے؟ کیا صدیق ؓ اکبر، فاروق اعظم ؓ ، بلال حبشی ؓ، ابومسعود بدری ؓ، عبداللہ بن عباس ؓ، فقیہ اسلام عبداللہ بن عمر ؓ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، فقہ حنفی کے ستون نمبر 1 قاضی ابو یوسف، فقہ حنفی کے ستون نمبر 2 امام محمد، امام علقمہ، امام اسود، امام مکہ عطاء بن ابی رباح، اسحاق (محدث) ، ابوثور ابراہیم کلبی، ابن المنذر، داؤد ظاہری، امام بخاری ، سعید بن جبیر، امام شعبی، امام حسن بصری ، امام طاؤس، ابوالشعثاء ، جابر بن زید، ابراہیم نخعی (امام الاحناف)، امام محمد باقر، محمد بن علی بن الحسین، سفیان ایک روایت

میں، عبیداللہ بن الحسن، ابوسلیمان خلید العصری، سعید بن مسیب، سفیان بن عیینہ، اور امام ابن حزم، وغیرہ وغیرہ، دین میں اتنا فہم اور شریعت میں اتنی بصیرت بھی نہیں رکھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شخصی کردار اور آپ کے ایماء کا صحیح منشاء سمجھ کر، کسی مسئلے کی شرعی حیثیت معلوم کرسکیں؟ یہ اتنا بھاری سوال ہے جسے آسانی کے ساتھ نظر انداز کرنا بڑی جسارت ہوگی۔

قربانی سنت ہے۔

یہ تو آپ معلوم کر چکے ہیں کہ بمطابق تحقیق علامہ ابن رشد جو حدیث بھی مقصد اصلی (وجوب قربانی) کی طرف راہنمائی سے قاصر ہے اسے (وجوب کی) دلیل بنانا ضعیف (اور کمزور) ہے۔ مقصد یہ کہ احادیث کی رو سے قربانی کا وجوب مشکوک اور اور دلائل کی روشنی میں مشتبہ ہے، اب لامحالہ اس کی تیسری پوزیشن تسلیم کرنی پڑے گی۔ یعنی سنت! کیونکہ فقیہ اسلام حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے (بحذف اسناد) ''الاُضحِیَۃُ سُنَّۃٌ'' یعنی قربانی واجب نہیں، سنت ہے۔

(المحلی 7/358/11 تا 12)

قربانی سنت مگر کیسی؟

جب اس بات کا تصفیہ ہو چکا کہ ذبیحہ عید قربانی واجب نہیں سنت ہے تو اب دیکھنا یہ ہوگا کہ ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، بلال حبشیؓ وغیرہ عمداً قربانی سے گریز کر کے جہاں وجوب کی نفی فرماتے تھے، وہاں منکر سنت بھی تھے یا کہ نہیں؟ ہماری ناقص رائے میں قربانی ایسی سنت ہرگز نہیں تھی، جسے ترک کر دینے سے قباحت لازم آسکتی ہو یا تبلیغ رسالت کا انکار ثابت ہوتا ہو۔ ذیل میں سنت کے مفہوم کو واضح کرنے کے لئے سب سے بڑے راوی سنت حضرت ابو ہریرہؓ کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوگا تاکہ خود سنت کا مفہوم متعین کرنے یا کم از کم سمجھنے میں آسانی ہو۔ محدث اعظم امام طبرانی ''الاوسط'' میں صحیح سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ

فرمایا کرتے تھے:

اَلسُّنَّةُ سُنَّتَانِ سُنَّةٌ فِیْ فَرِیْضَةٍ اَصْلُهَا فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰی اَخْذُ هَا هُدًی وَ تَرْکُهَا ضَلَالَةٌ۔ وَ السُّنَّةُ الَّتِیْ لَیْسَ فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰی۔ اَلْاَ خْذُ بِهَا فَضِیْلَةٌ وَ تَرْکُهَا لَیْسَ بِخَطِیْئَةٍ۔

یعنی۔۔۔سنت دو طرح کی ہے۔ایک تو وہ ہے جس کی اصل اور بنیاد کتاب اللہ میں پائی جائے اور اس کے ذریعے فرائض کا سراغ ملتا ہے لہٰذا اس پر عمل پیرا ہونا باعث ہدایت اور نہ ہونا موجب ضلالت ہے اور دوسری سنت وہ ہے جس کی اصل کتاب اللہ میں نہ ہو، اس پر عمل کرنا بہتر ہے اور نہ کرنا کسی خطاء اور غلطی کو مستلزم نہیں گردانتا وغیرہ۔

(بحوالہ **جامع الصغیر 38/2 طبع الحلبی** ایڈیشن چہارم)

سنت کی اس تعریف کی روشنی میں دیانت اور رواداری کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر دیکھا جائے تو قربانی اس معنی میں کہ اس کی اصل کتاب اللہ میں ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سنت الٰہیہ کے نام سے موسوم فرمایا ہو، ہرگز ہرگز ''سنت'' نہیں ہے۔کیونکہ اگر اس معنی میں قربانی سنت ہوتی تو جلیل القدر صحابہؓ اور خلفائے راشدینؓ اس پر عمل کرنے میں تساہل یا عمداً تغافل سے کام نہ لیتے۔کیا اسوۃ الرسولؐ کا ان سے بڑھ کر کوئی اور زیادہ متلاشی اور پابند ہوسکتا تھا؟

قبل اسکے کہ ذبیحہ مذکورہ کے وجوب کے دلائل کا مختصر جائزہ لیا جائے ذیل کے جستہ جستہ ذیلی عنوانات ملاحظہ ہوں، جو مستند حوالوں، قابل اعتماد اسانید اور ثقہ ماخذوں کی روشنی میں ترتیب دیے گئے ہیں۔

خلفائے راشدینؓ جان کر ''اضحی'' نہیں کرتے تھے۔

امام ابن حزم نے صحیح سند کے ساتھ لکھا ہے کہ:

عَنْ اَبِیْ سَرِیْحَةَ حَذِیْفَةَ بْنِ اُسَیْدِ الْغَفَّارِیْ قَالَ لَقَدْ رَاَیْتُ اَبَا بَکْرٍ

وَعُمَرَ وَمَا يُضَحِّيَانِ كَرَاهِيَةَ اَنْ يُقْتَدٰى بِهِمَا——

یعنی حضرت حذیفہؓ فرماتے تھے کہ میرا بارہا کا مشاہدہ ہے(اور میں نے ہر بار اس کو نوٹ کیا ہے) کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما اس خیال سے قربانی کرنا مکروہ جانتے تھے کہ لوگ انہیں کی اقتداء ضروری سمجھ کر قربانی کے عادی نہ بن جائیں۔ **(المحلی 3/358/7 تا 5 نیز بدایۃ المجتہد)**

غور فرمایئے کہ لوگ اگر سنت رسولؐ پر عمل کرنا واجب سمجھتے ،تو اس پر ابوبکرؓ اور عمرؓ کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا؟ لیکن نہیں ان کی عقابی نظروں نے بھانپ لیا تھا اور وہ معاملہ کی تہہ تک پہنچ گئے تھے کہ ذبیحہ عید قربان ایسی سنت نہیں ہے جسے آئندہ کے لوگ بغرض سنت ہی ادا کریں۔ بلکہ اندیشہ تھا کہ مستقبل میں یہ معمول سنت ، واجب اور فرض کی حیثیت اختیار کرنے لگ جائے گی اور اسی طرح مسلمانوں کا پیسہ غیر ضروری مصرف کی نذر ہوتا رہے گا!! دیکھئے ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کی طرح سیدنا ابومسعودؓ بھی مسلمانوں کی سہولت اسی میں سمجھتے تھے کہ قربانی نہ کی جائے چنانچہ آپ کا قول ہے کہ:

لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَدَعَ الْاُضْحِيَّةَ لِيُسْرِكُمْ مَخَافَةَ اَنْ يَحْسَبَ النَّاسُ اَنَّهَا حَتْمٌ وَاجِبٌ یعنی——بلاشبہ مسلمانوں کی سہولت اور یسر کے خیال سے میں قربانی کو ترک کر دینے کا ارادہ کر چکا ہوں کیونکہ اندیشہ ہے کہ یہ لوگ اسے ضروری (حتمی اور) واجب سمجھ لیں گے۔

(المحلی 6/357/7 تا 8)

قربانی یا نقد رقم۔

سنت کے معنی ہیں کہ اس کا بدل تلاش کرنے کی بجائے بعینہٖ اس پر عمل پیرا ہوا جائے یعنی عام حالات میں اس کے اجزاء اور مفہوم کی تحدید کا خیال رکھ کر اس انداز سے عمل پیرا ہوا جائے گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے اسی انداز اور طریق سے ادا کیا تھا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ

ذبیحہ عید قربانی ایسی سنت نہیں تھی کہ جس کا بدل نہ ہو۔ جناب سوید بن غفلة حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

مَا کُنْتُ اُبَالِیْ لَوْ ضَحَّیْتُ بِدِیْکٍ وَلَاَنْ آخُذَ ثَمَنَ الْاُضْحِیَةِ فَاَتَصَدَّقَ بِهٖ عَلٰی مِسْکِیْنٍ مُقْتِرٍ فَهُوَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اُضَحِّیَ۔

یعنی ۔۔۔۔۔ میں اگر قربانی کرتا تو مجھے کوئی بات خوف زدہ نہ کرسکتی تھی کہ ایک (بھاری قیمت بکرے کی بجائے کم قیمت) مرغا لے کر ذبح کردوں لیکن (میں تو اس کا بھی قائل نہیں) میرا تو خیال یہ ہے کہ ذبیحہ کے نقد پیسے وصول کر کے ایسے مسکین کو لِلّٰہ دے دوں جو نان جویں کا محتاج اور انجماد رجے کا ضرورت مند ہو ۔۔۔۔ کیونکہ میرے نزدیک یہی عمل محبوب ہے کہ (گوشت سے محتاج کا پیٹ بھرنے کی بجائے) نقد پیسہ دیا جائے۔ (المحلی 8/358/7 تا 11)

صحابہ کرام عصر حاضر کے مزاج شناسان رسولؐ سے زیادہ سنتِ رسولؐ پر پابند تھے اور انہیں احساس تھا کہ ایماء پیغمبر کا منشا پورا ہو، تا کہ وہ اللہ اور رسولؐ کے آگے سرخرو ہوسکیں۔ لیکن اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ قربانی سے متعلق ہمارے ان اکابر میں کوئی گرمجوشی نہیں پائی جاتی اور جس قدر پائی جاتی ہے تو یسر اور سہولت کی حد تک ، عسر اور تنگی کی نہیں۔ مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ نے اپنے غلام عکرمہ کو دو درہم دے کر فرمایا کہ:

اِشْتَرِ بِهِمَا لَحْمًا وَمَنْ لَقِیَکَ فَقُلْ هٰذِهٖ اُضْحِیَةُ ابْنِ عَبَّاس

یعنی ۔۔۔۔۔ ان پیسوں کا گوشت لے کر جو ملے اسے دے دو اور اس پر واضح کردو کہ یہ ابن عباس کی قربانی کا گوشت ہے۔

(ابن رشد 415'414/1 ۔۔۔ ابن حزم 14/358/7 تا 16)

نازک مرحلہ۔ حضرات صحابہ کرامؓ یا تو قربانی سرے سے کرتے ہی نہیں تھے جیسے حضرت صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ اور ابو مسعودؓ کا معمول تھا۔ یا اگر کرتے بھی تھے تو ضروری نہیں تھا

کہ دنبہ یا بکرا مہیا کرنے کی زحمت گوارا کر کے ہی یہ رسم پوری کرتے بلکہ غربا کی، عامۃ المسلمین کی سہولت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر جو مناسب صورت دیکھ پاتے وہ کرتے۔ مثلاً نقد پیسہ، معمولی نوعیت کی قربانی جیسے کوئی پرندہ وغیرہ یا پھر بازار سے گوشت لے کر تقسیم کرنا بھی کافی سمجھتے تھے۔

کیا ان واضح ہدایات اور اجلہ صحابہؓ کے معمولات کی روشنی میں اگر یہ کہا جائے کہ امت اسلام کے اولین مخاطب، لباس اور خارج سے زیادہ روح اور باطن پر زور دیتے تھے تو بے جا ہوگا؟ یعنی یہ کہنا کہ شرع کے خارجی پیکر کی پابندی کے باوجود زیادہ توجہ سپرٹ اور باطنی مفہوم پر ہی ہوتی تھی، تو غلط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ معتقدات و رسومات کی پابندی سے طرز احساس، طریق فکر اور انداز زندگی کے زیادہ شیدا تھے۔

اللہ اللہ جن لوگوں کی طرف منسوب تعلیمات اور نقل شدہ ہدایات کو ہماری انتہائی کوشش یہی ہوتی ہے کہ اسلام کے مآخذ اول، یعنی قرآن اور سنت پر ترجیح دے دیں۔ آج انہی حضرات کے ارشادات کو جب قربانی کے مروجہ مفہوم کے برعکس پیش کیا جاتا ہے تو خروج از اسلام، انکار سنت اور مخالف قرآن کا الزام لگایا جاتا ہے؟

وَاَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰه

کیا صحابہ کرام واقعی منکرین سنت اور مخالفین قرآن تھے؟ ایک نازک مرحلہ!!

جہاں تک ہمارے مضمون کا تعلق ہے اور اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لئے جو انداز پسند کیا گیا تھا غیر مبہم اور واضح طور پر بیان ہو چکا ہے۔ لیکن اس صورت میں بات پھر تشنہ رہ جائے گی اگر وجوب کے بعض ان دلائل کا مختصر جائزہ نہ لیا جائے جو فقہا کے نقطہ نظر کی ترجمانی کر سکتے ہیں۔

قربانی واجب-----؟

محدثین اور صحابہ کا مسلک واضح کرتا ہے کہ:

اَلْاُضْحِيَةُ سُنَّةٌ حَسَنَةٌ وَلَيْسَتْ فَرْضًا وَمَنْ تَرَكَهَا غَيْرَ رَاغِبٍ عَنْهَا فَلَا حَرَجَ عَلَيْهِ فِيْ ذَالِكَ ۔ یعنی ---- قربانی ایک اچھی سنت ہے فرض نہیں ہے

اور جو شخص بھی، بد نیتی کی غرض سے نہیں، بلکہ نیک نیتی سے نہیں کرنا چاہتا، تو اس پر نہ
عتاب ہے اور نہ ہی کوئی شرعی سرزنش۔ **(المحلی 355/7)**

اس حد تک تو محتاط الفاظ میں قربانی کی سنیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن جو لوگ مبالغہ سے کام لے کر فرضیت اور وجوب پر مصر ہیں ان کا کہنا ہے کہ:

(الف) حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

مَنْ رَأَى هِلَالَ ذِي الْحِجَّةِ فَأَرَادَ أَنْ يُضَحِّيَ فَلَا يَأْخُذَنَّ مِنْ شَعْرِهِ وَلَا مِنْ أَظْفَارِهِ حَتَّى يُضَحِّيَ۔

یعنی ـــــ جس نے ذی الحج کا چاند دیکھ کر ''قربانی کا ارادہ'' کیا تو اسے چاہیے کہ ذبح کرنے سے پہلے نہ تو بال ترشوائے اور نہ ہی ناخن کاٹے۔

(ابو داؤد طبع مصر 51/3 ـــ نسائی طبع مصر 211/7)

نوعیت استدلال۔ فقہا کا کہنا ہے کہ ذبیحہ عید قربان کی شرائط، بالوں اور ناخنوں کو نہ لینا وغیرہ بتا رہی ہیں کہ جس طرح ان شرائط کی پابندی واجب ہے اسی طرح قربانی کرنا بھی واجب ہے کیونکہ جس کام کے شرائط واجب ہیں، ضروری ہے کہ خود اس کا اپنا وجوب بھی مسلّم ہو۔

جائزہ: 1۔ محدثین کرام فرماتے ہیں کہ یہ حدیث وجوب قربان پر ہرگز دلالت نہیں کر رہی بلکہ قربانی، ہر مسلم کے اپنے ذاتی ''ارادے'' سے وابستہ ہے۔ ادھر قاعدہ یہ ہے کہ ہر ایسا حکم جو کسی کے اختیار اور ارادے کے تابع ہو اس سے وجوب یا فرضیت کا استدلال نہیں ہو سکتا۔

اب رہا یہ اعتراض کہ معاملہ جب اپنی مرضی کا ٹھہرا تو بعض شرائط کی پابندی کا وجوب غیر معقول سی بات ہو سکتی ہے اور غیر معقول باتوں کا زبان رسالتؐ سے صادر ہونا ممنوع ہے۔ لہذا یہی صورت رہے گی کہ قربانی کو واجب قرار دیا جائے۔ اس کے جواب میں محدثین فرماتے ہیں کہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے اور بکثرت اس کی مثالیں بھی ملتی ہیں، کہ ایک کام شروع کرنے سے پہلے

"سنت" ہے مگر شروع کر دینے کے بعد اس کی تکمیل فرض ہو جاتی ہے۔ مثلاً کوئی شخص دو
لعت نفل نماز قائم کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، جو کہ اس پر واجب یا لازم نہیں ہے، مگر شروع کرنے
کے بعد بمع لوازم اس کا پورا کرنا واجب ہے، یعنی قبلہ رخ ہونا، پاک جگہ اور باوضو شروع کرنا۔ رکوع
جود کے آداب کو ملحوظ رکھنا وغیرہ وغیرہ ---- اسی طرح قربانی فرض تو نہیں مگر جب کوئی
سان کرنے کا ارادہ کر چکا تو اس پر متعلقہ شرائط کی پابندی لازم ہو جاتی ہے۔ یا جس طرح
سی نے روزے کا ارادہ کر لیا اور بالفعل روزہ رکھ بھی لیا، تو اب اس پر تمام وہ پابندیاں
ئد ہو جائیں گی جو فرضی روزہ داروں پر عائد ہو جاتی ہیں ورنہ تو اسے روزے سے موسوم نہیں
یا جا سکتا۔ اسی طرح قربانی کرنے والا اگر شرائط قربانی کی پابندی نہیں کر پاتا تو اس کی قربانی
بس، ایک بکری کا گوشت ہے اور بس۔

۔ اس حدیث کی رو سے فقہا نے لکھا ہے کہ قربانی کرنے والے کی بیوی پر بھی قربانی فرض ہے اور
د کو چاہئے کہ بیوی کی جانب سے قربانی کرے ---- وغیرہ۔

لیکن فقہا یہ بات بھول گئے کہ اس حدیث میں بیوی کو اپنے ساتھ نتھی کرنے کا نہ تو کوئی اشارہ
ہے اور نہ ہی حدیث کے الفاظ ایسے مفہوم کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ پھر یہ کیونکر معقول ہو سکتا ہے کہ وہ
، بیوی کی جانب سے بھی ان شرائط کا پابند ہو جو خود اس پر عائد ہو گئیں؟ جبکہ قربانی کے لئے بیوی
ے ذاتی ارادے اور بعد میں ذاتی عمل کا فقدان ہے۔

(ب) کتب احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تا زندگی رسم قربانی
ہیں چھوڑا۔ اور جس کام کو زندگی بھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پابندی کے ساتھ کرتے رہے اس
اجب ہونا مزید کسی دلیل کا محتاج نہیں ہے وغیرہ۔ لیکن فقہاء کی اس دلیل کو محدثین نہیں مانتے وہ
تے ہیں کہ:

إِنَّ مُجَرَّدَ مُوَاظَبَةِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى فِعْلٍ لَيْسَ دَلِيْلَ الْوُجُوْبِ
كَمَا لَا يُخْفَى یعنی ---- آپؐ کے کسی معمول پر دائماً کاربند رہنے اور

ہمیشہ عمل کرنے سے لازم نہیں آتا کہ وہ خصلت اور عمل حقیقتاً بھی واجب ہے!!

شرح مشکوۃ مولانا ابی الحسن عبیداللہ 349/2)

مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دائما تہجد گزار تھے جمعہ کا غسل کرتے اور سرمہ استعمال فرماتے تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی کام ہمارے لئے واجب نہیں ہے۔

(ج) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے میدان میں فرمایا، ہر فیملی پر ہر سال قربانی اور عَتِیْرَۃ واجب ہے۔ عَتِیْرَۃ کے معنی ہیں دس رجب کو ذبیحہ کرنا"۔

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ)

محدثین فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں قربانی اور عتیرہ کا یکساں حکم ہے۔ لیکن عتیرہ بالاتفاق منسوخ ہے (ابوداؤد، طبع 1950 مصر 8/124/3) اب رہا قربانی کا وجوب تو اس کی سند میں ایک مجہول اور گمنام راوی ابورملہ غامدی واقع ہے جس کی وجہ سے یہ روایت کمزور اور ناقابل استدلال ہے۔ (المحلی 357/7)

(د) ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

مَنْ وَجَدَ سَعَةً فَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرُبْ مُصَلَّانَا یعنی ----- صاحب استطاعت قربانی نہ کرے تو ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔

محدثین اور اسلاف کو اعتراض ہے کہ اس کی تمام اسانید کا محور عبداللہ بن عیاش بن عباس کی ذات ہے، جو نہایت درجہ مجروح اور ناقابل اعتبار تھا۔ (المحلی 357/7)

خاکسار راقم الحروف (متولد 1929 م) عرض پرداز ہے کہ فقہا اگر اس بنا پر اس حدیث سے وجوب کا استدلال فرماتے ہیں کہ قربانی نہ کرنے والے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بائیکاٹ کی دھمکی دی ہوئی ہے، تو ان کا یہ استدلال جہاں فنی اعتبار سے مجروح و کمزور ہے وہاں ابوبکرؓ صدیق اور عمرؓ فاروق کے بارے میں کیا ارشاد ہوگا جبکہ اچھی طرح مالدار ہوتے ہوئے بھی قربانی سے دلچسپی نہیں لیتے تھے؟

(ھ)ام بلال اسلمیہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے روایت کرتی ہیں کہ:

ضَحُّوْا بِالْجَزْعِ مِنَ الضَّاْنِ یعنی ایک سال کے دنبہ کی قربانی کرو۔

فقہا کا استدلال یہ ہے کہ اس حدیث میں قربانی کا حکم صیغہ امر سے دیا گیا ہے جس سے وجوب کا ترشح ہوتا ہے لیکن محدثین کہتے ہیں کہ یہ اصول غیر مسلم ہے کہ ہر امر بغیر کسی قرینہ کے وجوب ہی کا مفہوم دیتا ہو، نیز یہ کہ اس حدیث کی تمام اسانید میں، محمد بن ابی یحیٰ، اپنی ماں ام بلال اسلمیہ سے روایت کرتا ہے کہ جو بالاتفاق محدثین واہل فن، نامعلوم راویہ ہے لہذا اس کی روایت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ (المحلی 357/7)

(ز) عکرمہ ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا۔

کُتِبَ عَلَیَّ النَّحْرُ وَ لَمْ یُکْتَبْ عَلَیْکُمْ۔۔۔ یعنی قربانی کا مجھے حکم ملا ہے اور مجھی پر فرض ہے، تم پر نہ تو فرض ہے اور نہ ہی ایسا حکم (مسند احمد طبع دار المعارف 328/4 حدیث 2921 نیز مذکورہ حدیث کے لئے ملاحظہ ہو 2918، 2919)

وجہ استدلال۔

فقہا کہتے ہیں کہ اس حدیث میں واضح طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ذبیحہ عید قربان آپ پر فرض تھا۔ مقصد یہ ہے کہ اس کی اصل کتاب اللہ میں تھی جبھی تو آپ نے فرمایا کہ مجھ پر فرض کر دیا گیا ہے، یعنی لکھ دیا گیا ہے کہ قربانی کروں وغیرہ۔

لیکن محدثین کو اس حدیث کی تمام اسانید پر دو طرح کے اعتراضات ہیں ایک تو یہ ہے کہ اس کی اسانید میں جابر الجعفی واقع ہیں جو درجہ اول کے کذاب تھے۔ (المحلی 11/357/7) اور اس کے جھوٹ کا تازہ ثبوت یہ ہے کہ اس نے کتاب اللہ پر بھی جسارت کر کے جھوٹ بول ڈالا اور امت اسلام کو دھوکہ میں رکھا کہ قربانی امر رب سے واجب ہوئی۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث کے ایک فقرے میں ہے، کہ نماز عید قربان مجھ پر فرض ہے، تم پر نہیں حالانکہ اس کی فرضیت کا

بھی قرآن میں کوئی حکم نہیں ہے۔ دوسرے خارجی دلائل سے مسلمان اسے واجب یا سنت مؤکدہ کہتے ہیں وغیرہ۔

تبصرہ۔ راقم الحروف کے نزدیک یہ حدیث جس پائے کی بھی ہو اس کا مفہوم واضح کرتا ہے کہ ذبیحہ عید قربان، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی عمل تھا (امر الٰہی کی نوعیت سے بحث نہیں کہ کیسا تھا؟) جبکہ آنحضرتؐ کے شخصی کردار اور امت کے طریق کار میں، نازک سا ایک فرق ہے، جسے مٹا دینے سے دینی الجھاؤ اور ژولیدگی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا اس حدیث کی بنا پر، قربانی کو واجب قرار دینا، اصل قربانی کے انکار کے مترادف ہے، کیونکہ حدیث کے الفاظ سے تو، ماسوا پیغمبر کے لئے سرے سے نفی کردی گئی ہے !! وَھُوَ الْمَطْلُوبُ۔

قرآن سے ثبوت۔ فقہا کا آخری سہارا سورہ کوثر میں --- فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ -- کا فقرہ ہے لیکن محدثین اور خود فقہا کہتے ہیں کہ کوئی لفظ جب مشترک المعانی اور متعدد مفاہیم کا متحمل ہو تو اس سے کسی خاص مفہوم کا تعین کرنا، قرآن پر بہتان ہے۔ چنانچہ کسی ایک صحابی سے سے بھی نحر کے معنی قربانی کے منقول نہیں ہوئے۔ سب سے پہلے مجاھد (متوفی 736م) اور اسماعیل بن ابی خالد (متوفی 782م) نے یہ شوشہ چھوڑا اور اس طرح قربانی کا ثبوت قرآن سے پیش کیا جانے لگا۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا۔ امید ہے کہ مسئلہ قربانی کی شرعی حیثیت واضح کرنے کے ضمن میں یہ مختصر گزارشات کفایت کر جائیں گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مندرجہ بالا مضمون ماہنامہ نصرت مئی 1963ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا، جس کا جواب مولانا کوثر نیازی نے اپنے رسالہ شہاب میں دیا۔ رحمت اللہ طارق نے ماہنامہ نصرت ستمبر 1963ء کے شمارے میں مولانا کے دلائل کا تجزیہ کیا۔ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمایئے۔

آپ ان سوالات کو ذہن میں رکھئے جو میرا مضمون پڑھ کر بہت سے متلاشیان حق کے سمند شوق پر تازیانے کا کام کر گئے اور وہ گھبرا کر بن سوچے انہی حضرات کی طرف راجع ہوئے جو احقاق حق اور ابطال باطل میں ہمیشہ اجارہ داری کی پالیسی پر گامزن رہے ہیں۔

مثلاً ہفت روزہ شہاب کے ایک قاری ولی بھائی فرماتے ہیں:

1۔کیا قربانی کی شرعی حیثیت ابھی تک متعین نہیں ہوسکی اور اسکے بارے میں قدیم ہی سے علمائے امت میں اختلاف ہے کہ واجب ہے یا سنت؟

2۔امام ابوحنیفہ کے علاوہ امام شافعی اور امام مالک قربانی کو واجب نہیں سمجھتے تھے اور امام ابوحنیفہ کے دو جلیل القدر شاگرد، امام محمد اور امام ابویوسف بھی قربانی کے بارے میں امام سے اختلاف رکھتے تھے۔

3۔قربانی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل جن ذریعوں سے امت نے معلوم کرلیا ہے وہ ذرائع اس قدر لچک دار اور علمی بنیادوں پر کمزور تھے کہ ان کی وجہ سے جلیل القدر صحابہ کرامؓ نے بالاجماع اور ائمہ اسلام کی بھاری تعداد نے قربانی کو "خالی سنت" سے زیادہ اہمیت نہیں دی۔ان صحابہ اور تابعین کے نام یہ ہیں: حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت بلالؓ، امام شافعی، امام احمد، اسحاق وغیرہ۔

4۔کیا حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمرؓ حضرت ابن عباس و ابن عمر، قربانی اس ڈر کی وجہ کرنا مکروہ سمجھتے تھے کہ مبادا لوگ اس کے واجب ہونے کا عقیدہ رکھنا شروع کردیں؟

5۔کیا صحابہ کرام میں بطور مثال کسی ایک کا بھی نام پیش نہیں کیا جاسکتا جس سے قربانی کا وجوب منقول ہو۔

6۔امت اسلام کا بیشتر حصہ قربانی کے واجب ہونے کا قائل نہیں اور صرف ہمارے دور کے مذہبی ادارے ان حقائق سے آنکھیں بند کرکے بغیر کسی سہارے کے ذبیحہ عید قربان کے وجوب پر زور دے رہے ہیں؟

7- کیا قربانی ایک ایسا مسئلہ ہے جس کو واجب گردان کر حنفیوں نے تمام علمائے اہل سنت اور جمہور صحابہ کرام کی مخالفت کی ہے؟

8-اگر قربانی کو صحابہ کرامؓ واجب نہیں، سنت سمجھتے تھے تو یہ کیسی سنت تھی جس پر عمل کرنے سے خود صحابہ کرام گریز کرتے تھے، اور اس لئے قربانی کرنا مکروہ سمجھتے تھے تاکہ لوگ ان کی دیکھا دیکھی قربانی کرنے کے عادی نہ ہو جائیں۔ کیا صحابہ کرام پر اس سنت پر عمل نہ کرنا گناہ نہیں تھا؟

9- کیا قربانی کا بدل بھی ہے یعنی قربانی کے عوض نقد پیسے یا سیر دو سیر گوشت خرید کر کسی غریب کو دے دیا جائے تو قربانی ہو جاتی ہے جیسا کہ جناب سویدؓ بن غفلہ حضرت بلالؓ سے روایت کرتے ہیں۔

10- کیا حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما مسلمانوں کی سہولت اس میں سمجھتے تھے کہ قربانی نہ کی جائے۔ اور اس طرح مسلمانوں کے پیسے غیر ضروری طور پر ضائع نہ جائیں؟

11- کیا مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کو دو درہم دے کر فرمایا تھا کہ جاؤ اس کا گوشت لے کر راہ میں جو ملے اس کو دے دینا اور اس پر واضح کر دینا کہ یہ ابن عباس کی قربانی کا گوشت ہے؟

12- کیا یہ حقیقت ہے کہ صحابہ کرامؓ قربانی سرے سے کرتے ہی نہ تھے یا اگر کرتے تو ضروری نہیں سمجھتے تھے کہ دنبہ یا بکرا ذبح کیا جائے بلکہ غربا اور مسلمانوں کی سہولت کے تقاضوں کو مد نظر رکھ کر جو مناسب صورت دیکھتے تھے، وہی کرتے تھے۔ مثلاً نقد پیسہ یا معمولی نوعیت کی قربانی جیسے کوئی چھوٹا موٹا پرندہ یا پچاس ساٹھ روپے کا گوشت؟

13- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ''جس نے ذی الحج کا چاند دیکھ کر قربانی کا ارادہ کیا تو اسے چاہئے کہ ذبح کرنے سے پہلے نہ تو بال ترشوائے اور نہ ہی ناخن کاٹے''۔

نوٹ: اس میں لفظ'' ارادہ کیا'' خاص طور پر قابل توجہ ہے۔

14- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث حضرت ابوہریرہؓ نے بیان فرمائی ہے کہ ''جو صاحب استطاعت شخص قربانی نہ کرے تو ہماری عیدگاہ میں نہ آئے '' اس کے متعلق محدثین کو اعتراض ہے کہ اس کی تمام اسانید کا محور عبداللہ ابن عباس کی ذات ہے جو ناقابل اعتبار تھا؟

15- کیا حضرت عکرمہ نے ابن عباس کے حوالے سے کوئی حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قربانی کا حکم مجھے ملا ہے اور مجھ ہی پر فرض ہے تم پر نہ فرض ہے اور نہ ہی ایسا حکم؟

16- قربانی کیا رسول اکرمؐ کا ذاتی کردار تھا اور ماسوائے پیغمبرؐ کے امت کے لئے اس کی کوئی ضرورت نہ تھی؟

17- کیا قربانی کا نظریہ، قرآن سے سب سے پہلے اسماعیل بن ابی خالد نے پیش کیا ہے اور "نحر" کے معنی قربانی کا شوشہ انہوں نے ہی چھوڑا ہے اس سے پہلے کسی مفسر نے نحر کے معنی قربانی نہیں لیا تھا؟

18- تاریخ سے یہ ثابت کریں کہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں قربانی کا کیا حال رہا اور خود حضرت ابوبکر و دیگر مسلمان قربانی کیا کرتے تھے یا نہ کرتے تھے۔

19- حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہد کے جو تاریخی واقعات قربانی کے متعلق ہیں، وہ پیش کریں تو نوازش ہوگی کیونکہ حضرت عمرؓ کی سوانح عمری تو میں نے پڑھی ہے اس میں اکثر چھوٹی چیزوں کا ذکر ہے لیکن قربانی کا ذکر کہیں بھی نہیں ملتا۔ جب میں ان کی زندگی کے واقعات پڑھ رہا تھا تو ذہن اس طرف نہیں گیا لیکن اس مضمون کے پڑھنے کے بعد یہ سوال دل میں بار بار اٹھ رہا ہے کہ آخر حضرت عمرؓ کی پوری زندگی میں قربانی کا ذکر کیوں نہیں ملتا؟

ولی بھائی (شہاب 63-7-7 صفحہ 19 کالم 3)

یہ تھے وہ سوالات جو ایک متلاشی حق کے ذہنی تلاطم کا واضح اور غیر مبہم طور پر پتا دے رہے ہیں اور جنہیں ہم نے جوں کا توں نقل کر دیا ہے۔ میں حیران ہوں کہ مولانا کی حسب ذیل طفل تسلی سے حضرت سائل کے پلے کیا پڑا ہوگا کہ:

> "آپ کے سوالات کا جواب نمبر وار دینے کی بجائے ایک مسلسل تحریر کی صورت میں ان اشکالات کو رفع کر دوں، اس میں آپ کی ساری باتوں کا جواب آجائے گا۔ اگر کوئی بات رہ جائے تو اطلاع بخشیں اس پر بھی روشنی ڈالنے سے گریز نہیں کروں گا"۔ (شہاب 1963-7-7 صفحہ 20 کالم 1)

ایک تو مولانا نے سائل کو دست خالی جانے دیا اس پر مزید دلاوری ملاحظہ ہو کہ کسی قسم کی فرد گذاشت پر آئندہ روشنی ڈالنے پر آمادہ بھی ہیں یہ ایک طرفہ تماشہ ہے !!

اس کے بعد مدیر محترم نے چند بنیادی اصول اختراع فرما کر اپنی ذہنی تسکین کا سامان بھی کیا ہے فرماتے ہیں کہ:

"کسی بات کا فیصلہ کرنے کے لئے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اسے ماننے والوں کی تعداد کتنی ہے، دیکھا یہ جاتا ہے کہ اس کے حق میں دلائل کتنے مضبوط ہیں۔"

مولانا نے یہ اصول اس لئے وضع فرمایا تاکہ ان جلیل القدر صحابہ کرام، تابعین عظام، محدثین اور آزاد فکر لاتعداد مسلمان، جن کے ہم نے مضمون میں نام گنوا کر ثابت کیا تھا کہ یہ سب کے سب وجوب قربانی کے منکر تھے بلکہ بعض تو اسے سرے سے ہی غیر ضروری سمجھتے تھے، ان کے جواب کی کوئی صورت نکل آئے۔ لیکن کیا حضرت والا اپنے اس اصول کی روشنی میں یہ فرمائیں گے کہ حنفی مذہب کے بنیادی دعویٰ کہ وہ سواد اعظم (اکثریت والے) ہیں کی کیا قیمت رہ جائے گی۔؟ کیا وہ یہ تسلیم کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے کہ دلیل اگر اہل حدیث یا شیعہ یا کسی دوسرے مسلمان فرقے کے حق میں ہو تو بقول مولانا حق انہی کے ساتھ رہے گا؟ نہ کہ اکثریت والوں کے !!

اس کے بعد مدیر شہاب وجوب قربانی کے ضمن میں قرآنی دلیل سے آغاز فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

قربانی واجب ہے۔

"قربانی واجب ہونے کی پہلی دلیل آیت کریمہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ سے مستنبط ہے۔ نحر کے معنی لغت میں ذبح کرنے کے آئے ہیں۔ آیت کا ترجمہ یہ ہوا کہ آپ نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے۔ طارق صاحب نے ابن حزم ظاہری کے حوالہ سے آیت کا مفہوم بھی کچھ سے کچھ کر دیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ نحر سینے پر ہاتھ باندھنے کو کہتے ہیں۔"

(شہاب 1963-7-7)

مولانا نے اپنے ماننے والوں کوفریب دینے کے لئے ایک ایسی بات کہ دی جسے حق و صداقت سے وہی لوگ تعبیر کر سکتے ہیں جنہیں اللہ نے آنکھیں تو عطا فرمادی ہیں، مگر وہ حقیقت بینی سے کورے ہیں۔ پہلے تو یہ سوال ہے کہ راقم الحروف نے ازخود یا ابن حزم کے حوالہ سے کہاں لکھا ہے کہ ''نـحـر'' کے معنی سینہ پر ہاتھ باندھنے کے ہیں؟ --- کیا میری ذیل کی عبارت سے ''نحر'' کے معنی کا تعین مترشح ہوسکتا ہے؟ کہ:

> '' محدثین اور خود فقہا بھی کہتے تھے کہ کوئی لفظ جب مشترک المعانی اور متعدد مفاہیم کا متحمل ہو تو اس سے کسی خاص مفہوم کا تعین کرنا قرآن پر بہتان ہے چنانچہ کسی ایک صحابی سے بھی نحر کے معنی قربانی کے منقول نہیں ہوئے''

اس کے معنی تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نحر کے متعدد مفاہیم ہیں مگر قربانی کا مفہوم کسی بھی صحابی رسولؐ سے منقول نہیں ہے۔ حالانکہ وحی الٰہی کے اولین مخاطب بھی یہی تھے ------- افسوس ہے کہ مولانا نے نحر کے معنی میری طرف منسوب کر کے جہاں مغالطہ آفرینی اور بات کو کچھ کا کچھ بنا دینے کا طنز مجھ پر کیا ہے وہاں خود بھی فریب کاری میں مہارت تامہ رکھنے والے نکلے۔

مدیر شہاب نے اپنے قدیم بزرگوں کے برعکس وانحر کے معنی ذبیحہ کہہ کر اپنے خیال میں یہ تصور لیا ہے کہ امت اسلام کے جتنے بزرگ بھی اس کے وجوب کے منکر تھے، وہ دراصل قرآن پاک ہی کے اس واضح اور روشن حکم کو سمجھنے سے قاصر رہے جیسے صحابہ کرام، لیکن آپ کو یہ سن کر مایوسی ہوگی کہ سورۃ کوثر قرآن پاک کی ان صورتوں میں سے ہے جو مکے میں اسلام کے ابتدائی دور میں نازل ہوئیں اس وقت قربانی تو ایک طرف رہی مسلمانوں پر فرضیت حج کا سوال بھی پیدا نہیں ہوا تھا، کیا حج سے پہلے بھی قربانی کا حکم ممکن ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ وانـحـر کا تعلق حج والی قربانی سے نہیں ہے اس میں یہ ذہن نشین کرایا گیا ہے کہ جو بھی ذبیحہ ہو صرف اللہ کی ذات کے لئے ہو جیسے ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن میرا قیام صلوٰۃ، میرا ذبیحہ و دیگر عبادات بلکہ میرا جینا اور مرنا سب ذات خداوندی کے

لئے ہے۔(الانعام،162)اس طرح عبادات کے آداب میں واضح کیا ہے کہ وہ صرف ذات احدیت صفات کے لئے ہے۔انسان کا قیام ہو، قعود ہو یا رکوع اور سجود یا کسی طرح کی مالی، بدنی اور ذبیحہ کی قربانی، فرمایا سب اللہ کے لئے ہوں۔اس طرح یہاں نحر کو عام میں شمار کرکے حج والی خاص قربانی سے غیر مربوط کر دیا ہے۔

قربانی صرف مکہ سے مربوط ہے ساری دنیا سے نہیں۔

قربانی سنت یا واجب ،اس کا محل وقوع صرف مکہ سے مربوط ہے دوسرے الفاظ میں مالدار آدمی کے لئے احکام حج میں سے ہے۔ یہ قرآن نے فرمایا اور قرآن کی ذاتی گواہی کے بعد کسی خارجی شہادت کی ٹوہ لگانا بدبختی اور جسارت ہے،فرمایا

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ
وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ.........

حج اور عمرے کے اعمال پورے کرو اور اگر ایسی صورت پیش آجائے کہ تم راہ کی کسی بدامنی یا دوسری وجہ سے گھر گئے اور منزل مقصود تک نہ پہنچ سکے تو جو کچھ بھی قربانی میسر ہے اسے مکہ کی طرف روانہ کر دو اور جوں ہی اس کے پہنچنے کی اطلاع موصول ہو ، سر منڈاؤ اور احرام کھول دو۔ (بقرہ،196)

یعنی۔۔مکہ سے باہر احرام تو کھول سکتے ہو مگر قربانی نہیں کر سکتے ،قربانی بہر صورت وہاں بھجوانی ہوگی۔بات کیا ہوئی کہ۔۔۔۔قربانی مکہ سے باہر دنیا کے کسی بھی حصہ میں نہیں ہو سکتی۔

امام مالک پر بہتان۔ مدیر شہاب نے اپنی خامکاری کو اس انداز میں پیش کیا ہے جسے ان کے زعم میں تحقیق اور ریسرچ کا اعلیٰ نمونہ کہا جا سکتا ہے۔آپ فرماتے ہیں اور غلط فرماتے ہیں کہ:

''امام مالک ،حضرت ابراہیم نخعی ،امام ابو حنیفہ اور امام محمد اسے واجب مانتے ہیں''

(شہاب،7-7-63)

ہماری ناقص رائے میں، مولانا کوثر نیازی اور ان جیسے دیگر حضرات، کی غلط بیانیوں سے امام مالک کی اپنی ذاتی گواہی فیصلہ کن اور زیادہ وثوق کے قابل ہے۔ امام موصوف اپنی شہرۂ آفاق اور سب سے قدیم حدیث کی کتاب ''مُوَطَّا'' کے باب الاُضحِيَةُ سُنَّةٌ کی ذیل میں فرماتے ہیں کہ:

الاُضْحِيَةُ سُنَّةٌ وَ لَيْسَتْ بِوَاجِبَةٍ وَلَا اُحِبُّ لِاَحَدٍ مِمَّنْ قَوِيَ عَلٰى ثَمَنِهَا اَنْ يَتْرُكَهَا ---- قربانی سنت ہے، واجب نہیں اور میں نہیں چاہتا کہ خرید جتنا پیسہ رکھنے والا اسے ترک کر دے۔

موطا بمع شرح المسوی، امام ولی اللہ دہلوی، طبع مکہ 1353 ھجری جلد 181/1 نیز تنویر الحوالک طبع مصر 3/322/1 تا 15)

اس پر شاہ ولی اللہ مرحوم اضافہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

قُلْتُ عَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ وَ قَالَ اَبُوحَنِيْفَةُ وَاجِبَةٌ یعنی۔ امام مالک کی طرح امام شافعی بھی سنت ہی کے قائل تھے، وجوب کے نہیں البتہ امام ابوحنیفہ فرماتے تھے کہ واجب ہے۔ (حوالہ مذکور 181/1 سطر آخری)

اس وضاحت کے بعد، اہل تحقیق کو چاہئے کہ اصل کی موجودگی میں نقل کی غیر یقینی وضاحت پر اعتماد نہ کریں۔ ناقل تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ کا استعمال کرنا ریسرچ اور تحقیق ہی سمجھتے ہیں جیسا کہ مضمون ہذا کے ذیلی عنوان'' ایک حدیث تین جھوٹ'' میں واضح ہوگا۔

امام محمد و امام ابو یوسف۔

امام مالک کی طرح امام محمد اور امام ابو یوسف سے بھی قدیم ناقلین مذہب نے ذبیحہ عید قربان کا سنت ہونا ہی نقل کیا ہے۔ ہاں مذہب کی غلط حمایت کے جذبے نے بعد کے مصنفوں کو ضرور اکسایا کہ انہوں نے اپنے جلیل القدر اماموں کی رائے کو مشکوک کرنے کے لئے ان کی طرف

متضاد اقوال منسوب کر دیے۔ لیکن ان تمام ہتھکنڈوں کے باوجود اور ان کی حقیقی آراء کو مشتبہ بنانے کا جواز مہیا کرنے پر بھی حقیقت حقیقت رہے گی۔ احناف کے سب سے قدیم اور سب سے بڑے محدث امام طحاوی (متوفی 933م) نے ان ہر دو حضرات سے قربانی کا سنت مؤکدہ ہونا ہی نقل کیا ہے۔ کیا امام طحاوی جیسے بڑے فقیہ اور محدث، فقہا اور محدثین کی اصطلاحات کا علم نہیں رکھتے تھے؟ کیا حدیث نبوی کے سب سے بڑے حنفی شارح علامہ بدرالدین عینی نے امام طحاوی سے امام محمد اور امام ابو یوسف کے مسلک نقل کر کے اس خیال کی تائید نہیں فرمائی کہ جو کچھ امام موصوف نے لکھا ہے حرف بہ حرف صحیح ہے؟ (عُمْدَةُ الْقَارِی، طبع القاہرہ 59/10) کیا امام طحاوی اور علامہ عینی کی مستند شہادتوں کی موجودگی میں ان حضرات کی رائے درخور اعتناء اور قابل ترجیح ہو سکتی ہے؟ علمی تقاضے آپ سے سوال کرتے ہیں؟

امام شافعی اور فرض کفایہ۔

امام شافعی اگرچہ ذبیحہ قربانی کے وجوب کا عقیدہ نہیں رکھتے تھے، جیسا کہ حوالہ جات کے ساتھ سابق مضمون میں اور شاہ ولی اللہ کی تصدیق کے ساتھ چند سطور پیشتر واضح کر چکا ہوں اس کے باوجود غلط بیانی کے ضمن میں امام موصوف کو بھی ایکسپلائٹ کیا گیا ہے۔ یعنی بغیر حوالہ کے ایک عربی عبارت دے کر یہ تاثر دے دیا گیا ہے کہ امام شافعی تو اسے فرض کفایہ کی حد تک ضروری سمجھتے تھے۔ (بحوالہ شہاب مذکور صفحہ 20 کالم 3)

امام شافعی فرض کفایہ سمجھتے تھے یا کہ یہ حضرت والا کے سوءِ فہم کا نتیجہ ہے!! اس غلط بیانی کی وجہ ایک ہی معلوم ہوتی ہے کہ آپ کی نظر کسی طرح لفظ ''فرض'' پر پڑ گئی، خواہ وہ فرض کفایہ ہی کیوں نہ ہو اس پر جھٹ سے آپ نے اس حوالہ کو آڑے ہاتھوں لیا اور یہ نہ سوچا کہ:

(الف) اس بے سند اور بے حوالہ عربی عبارت میں ''فرض کفایۃ الشافعیہ'' (بعض مقلدین شافعی) کی طرف منسوب کیا گیا ہے نہ کہ شافعی سے ایسا منقول ہے؟ خود اس ہی

عبارت میں جمہور اور امام شافعی سے سنت مؤکدہ ہونا مذکور ہے۔ کیا مولانا عربی عبارات کو غور سے ملاحظہ فرمانے سے قاصر ہیں؟ ایسا تصور کرنا میرا حسن ظن اجازت نہیں دیتا۔

(ب) اور کہ آپ کو یہ سن کر مایوسی ہوگی کہ فرض کفایہ تسلیم کرا لینے کے بعد بھی آپ کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا کیونکہ سنت ہو خواہ فرض کفایہ ہونے کی صورت میں اس کی تعریف ہی یہ ہے کہ تمام شہر کے لوگ اگر شامل نہ ہو سکیں تو فرد واحد کا عمل سب پر سے لزوم، وجوب اور فرض کو ساقط کر دے سکتا ہے۔ یعنی تیس لاکھ کی آبادی میں اگر کوئی فرد واحد قربانی کر دے تو باقی تمام باشندوں سے اس کی ادائیگی بطور سنت یا فرض ساقط ہوگئی۔ (مزید تفصیل ملاحظہ ہو عنوان دس کروڑ پاکستانیوں کی طرف سے ایک بکرا)۔

تو کیا مدیر شہاب امام شافعی، جمہور مسلمانوں اور مقلدین شافعیہ کے اس مسلک پر کاربند ہونے کے لئے آمادہ ہیں؟ غالباً ایسے ہی کسی موقع پر کسی نے کہا ہوگا۔

گلوں کے رنگ و بو نے اس قدر دھوکا دیا مجھ کو
کہ میں نے شوق گل بوسی میں کانٹوں پر زباں رکھ دی

آخری بجلی ۔ مدیر شہاب نے ذبیحہ عید قربان کو، وحی الٰہی کا فرمودہ ثابت کرنے کے لئے جتنا زور صرف کیا اور اس میدان میں قلم کی جولانیاں دکھا کر جس انداز سے وجوب کی قرآنی دلیل پیش کی ہے اس کی حقیقت آپ معلوم کر چکے ہیں۔ اس کے باوجود مولانا نازاں ہیں اور پھولے نہیں سماتے کہ:

> ''واجب سمجھنے والوں کی دلیل کس قدر مضبوط ہے، وہ اس کے لئے براہ راست قرآن حکیم سے استدلال کرتے ہیں۔''
>
> ''اس پر طارق صاحب نے جو اعتراضات کئے ہیں وہ **مغالطوں** سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔''

میرے خیال میں تو یہ بھی ایک گونہ غلط بیانی ہی ہے۔ میں نے جب وانحر کے بارے میں تفصیل سے کچھ لکھا ہی نہیں تو ایسے میں اسے مغالطوں سے تعبیر کرنا زیادتی نہیں تو اور کیا ہے؟ ۔۔۔۔اور پھر مغالطے کی بات بھی خوب کہی۔ جبکہ قدم قدم پر حضرت والا خود ہی اس فن شریف کا مظاہرہ کرتے رہے۔

قربانی کا منکر اسلامی برادری سے خارج ہے۔

مولانا کوثر نیازی عامۃ المسلمین کو باور کرانے کے لئے قرآن کے بعد احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''حدیث کی طرف رجوع کیجئے تو یہاں بھی قربانی کا وجوب ثابت ہوتا ہے''۔ اس کے بعد ذیل کی حدیث جس پر سابقہ مضمون میں اشاراتی تنقید ہو چکی ہے پیش کی ہے کہ:

> عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم)
> مَنْ کَانَ لَهٗ سِعَةٌ فَلَمْ یُضَحِّ فَلَا یَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا۔
>
> یعنی ۔۔۔۔حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس شخص کو گنجائش ہو اور قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے''۔ اس روایت کی تخریج، ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اور احمد ابن ابی شیبہ، اسحاق بن راہویہ اور ابویعلی موصلی نے اپنی اپنی مسند میں کی ہے۔ طارق صاحب کا کہنا ہے کہ ابن حزم کے نزدیک یہ روایت نہایت درجہ مجروح اور ساقط الاعتبار ہے، اس لئے اس سے قربانی کے وجوب کا استدلال نہیں ہو سکتا۔

اسکے بعد فرمایا گیا ہے کہ:

> طارق صاحب نے ابن حزم کی رائے نقل کرتے ہوئے دیانت اور امانت کا ثبوت نہیں دیا۔ علامہ ابن حزم نے، کسی جگہ بھی اس روایت کو مجروح اور

ساقط الاعتبار نہیں ٹھہرایا اگر ایسا ہو تو وہ ثبوت پیش کریں۔ انہوں نے جو کچھ کہا وہ صرف اتنا ہے کہ اس روایت کے ایک راوی عبداللہ بن عیاش (جسے غلطی سے آپ نے اور طارق صاحب نے عباس بنادیا ہے) مَعْرُوْفٌ بِالثِقہ (یعنی ان کا معتبر اور معتمد ہونا معلوم و مشہور) نہیں (شہاب 63-6-14 کالم 1)

تحلیل۔ مولانا کوثر نیازی کا طویل اقتباس واضح کرتا ہے کہ اسلامی برادری سے نکال دینے کا یہ فرمان نبویؐ واقعی آپؐ ہی کا ارشاد فرمودہ ہے اور یہ کہ میں نے محدثین یا بقول ناقد محترم، ابن حزم کے حوالہ سے اس کے راوی ابن عیاش پر جو تنقید کی ہے وہ سراسر خیانت ہے وغیرہ۔ تو کم از کم آپ کو چاہئے تھا کہ ابن عیاش کو معروف بالثقہ یعنی اس کا معتمد و معتبر ہونا مشہور ثابت کرتے۔ اگر ایسا نہ کر سکے اور الٹا غیر ثقہ نہ ہونے کی دلیل راقم الحروف سے طلب فرمائے ہیں تو لیجئے ذیل میں ائمہ رجال اور نقادان فن کا تجزیہ ملاحظہ ہو۔

امام نسائی فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عیاش بن عباس متروک اور ضعیف تھے۔ امام ابوزرعہ کا کہنا ہے کہ قوی نہیں تھے۔ اسی طرح امام داؤد نے بھی اسے ضعیف اور متروکین کی طرح تھے لکھا ہے۔ امام بخاری اس کی حدیث کو "مقلوب" فرماتے تھے یعنی کہ اس کی احادیث میں ردوبدل اور الٹ پھیر کے قائل تھے۔ امام ابن حجر نے اسے غلط بیان صدوق لکھا ہے۔ امام ابن ابی حامت نے کہا ہے کہ یہ شخص احادیث کے معاملہ میں ناپختہ تھا وغیرہ وغیرہ۔ ان جرحوں میں امام بخاری کی جرح غیر مبہم ہے جسے کسی بہانے رد نہیں کیا جا سکتا۔ چلئے امام ابن حزم کے ہاں اگر کوئی معروف با ثقہ نہیں تھے تو ضروری نہیں کہ دوسروں پر بھی اس کی ثقاہت غیر معروف ہی رہی ہو، جیسا کہ ناقد محترم کا خیال ہے۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ فن رجال کے دیگر جلیل القدر آئمہ کرام بھی اس کی ثقاہت کا بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہی علم رکھتے تھے------

تعجب ہے کہ مولانا کوثر نیازی نے اپنے زعم میں ابن حزم سے بڑے محدث یعنی اپنے ہی

مسلک کے ایک علامہ بدرالدین عینی کے حوالہ سے ابن عیاش کو مسلم کے راویوں میں شمار کر دیا، لیکن ہمارے اور ابن حزم کے اعتراض میں کسی ایک امام فن کے حوالہ سے اس کی ثقاہت کا شہرہ نقل نہیں کیا۔ کیا یہ معنی خیز خاموشی کہیں فرار کا مہذب بہانہ تو نہیں ہے ؟

ثقاہت کا معیار۔ یہاں ناقد محترم ابن عیاش کی جان چھڑانے یا اپنی صفائی بیان کرنے کے لئے فرماتے ہیں کہ ابن عیاش کا اگرچہ وہ رتبہ نہیں جو دیگر راویوں کا ہے تاہم یہ کیا کم ہے کہ امام مسلم نے بھی اس سے ایک روایت کی ہے وغیرہ۔

لیکن مولانا آپ کو یہ سن کر مایوسی ہوگی کہ رواۃ کی توثیق کے لئے صرف اتنا لکھ دینا کہ فلاں محدث نے ان سے روایت کی ہے، کوئی متفقہ اصول نہیں ہے۔ محدثین کرام نے تو بے خبری میں بسا اوقات وضاع اور کذاب راویوں سے بھی مواد لے لیا ہے، جو ہم عصر یا ان حضرات کے معیار تنقید پر پورا نہ اترتا ہو لیکن ان کے پاس ایک آدھ حدیث کا سراغ مل جاتا ہے تو اس سے بطور اضافہ معلومات کے حدیث لے لیتے تھے مگر بنیادی اسناد میں ذکر نہیں کرتے تھے، یعنی اپنی پالیسی کے مطابق مجروح تسلیم کرتے ہوئے بھی امام بخاری، متابع (غیر بنیادی راویوں) اور امام مسلم شواہد کے طور پر ذکر کر دیتے تھے اس سے ان کا مقصود کسی مجروح راوی کی توثیق کرنا نہیں بالکہ مزید اعتراف کرنا تھا کہ ایسا راوی اس قابل ہی نہیں ہے کہ اسے بنیادی راویوں میں شمار کیا جائے۔ مقدمہ فتح الباری کے پہلے حصے میں امام بخاری، و نیز امام مسلم کے اخذ روایت کے ان شروط اور معایر کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ انہیں سامنے لائے بغیر امام مسلم کے ذیلی اور مجروح راویوں پر اعتماد اور اعتبار کی دیوار چننا غلطی ہے۔ اس وضاحت کے بعد اب دیکھئے کہ جس راوی کو غیر مشروط طور پر مسلم کا راوی کہہ کر مولانا مطمئن ہو گئے۔ اسی کے بارے میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ "عبداللہ بن عیاش بن عباس قیتان کے رہنے والے صَدُوْقٌ يَغْلَطُ اَخْرَجَ لَهُ مُسْلِمٌ فِي الشَّوَاهِدِ یعنی غلط بیان سچے تھے، اس سے امام مسلم نے شواہد میں ایک روایت

بیان کی ہے" (تقریب طبع قاہرہ 1960ء جلد 64/1) یہاں" شواہد" کا لفظ قابل غور ہے جو صرف اور صرف غیر اساسی دلیل کی حیثیت سے کام لایا جاسکتا ہے !

امام ابن حجر کی طرح امام ذہبی (متوفی 1348ء) نے بھی ابن عیاش پر جرح کے بعد لکھا ہے کہ خَرَجَ لَـہٗ مُسْلِمٌ اما یعنی مسلم نے ایمائیت اور اشاراتی انداز میں اس سے روایت کی ہے۔ مشہور نحوی قطرب بن علی نے" ام" کے معنی بھول چوک اور بے خبری کے بھی لکھے ہیں لیکن ابن حجر کے لفظ شواہد نے امام ذہبی کے "ام" کی خود بخود تشریح کر دی ہے لہٰذا بے خبری وغیرہ معنی لینے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے۔

امید ہے کہ امام مسلم کی پالیسی کی وضاحت اور امام ابن حجر و ذہبی کی نشاندہی کے بعد ابن عیاش کی ثقاہت کی حقیقت واضح ہو چکی ہوگی اور طارق یا ابن حزم نے اس بارے میں جو کچھ کہا وہ فریب اور خیانت نہیں حقیقت اور ائمہ رجال کی وضاحت کی رو سے حق اور صداقت کا آئینہ دار تھا۔

سابقہ اعتراض۔ اس حدیث پر ہم نے عرض کیا تھا کہ فقہا اگر اس بنا پر اس حدیث سے وجوب کا استدلال فرماتے ہیں کہ قربانی نہ کرنے والے سے آنحضرتؐ نے بائیکاٹ کی دھمکی دی ہوئی ہے تو ان کا یہ استدلال جہاں فنی اعتبار سے مجروح اور کمزور ہے وہاں ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کے بارے میں کیا ارشاد ہوگا جبکہ اچھی طرح مال دار ہوتے ہوئے بھی قربانی سے دلچسپی نہیں لیتے تھے۔

مولانا کوثر نیازی نے ہمارے اس اعتراض کو چھیڑنے کی زحمت گوارا نہیں کی اور نہ ہی اشارتاً صحابہ کرامؓ کو مستثنیٰ کرنے کی کوشش فرمائی اور بے توجہی تو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ موصوف اپنی رائے کے مقابلہ میں کسی اور کی رائے کو سننا بھی پسند نہیں کرتے اور پڑھ کر اثر نہ لینے کا مطلب ہے کہ اخلاص کا خانہ بالکل بند ہے ورنہ تو مخلص آدمی ہر مرحلے پر قوی دلائل اور صداقتوں کو قبول کرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ اگر وہ علم و دیانت کے ٹھوس تقاضوں کا احساس فرماتے اور ہمارے بیان کردہ محکم اور ناقابل تحلیل اعتراض کا نوٹس لیتے تو یقین تھا کہ ہم سب مل کر کسی اچھے

نتیجے پر پہنچ سکتے تھے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا اور خاموشی سے اس طرح گزر گئے گویا کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

یہ حدیث ارشاد پیغمبر نہیں ہے۔

ہمارے نزدیک یہ حدیث اس لئے بھی ناقابل استدلال ہے کہ آئمہ ثقات نے اسے موقوف کہا ہے یعنی حضرت ابو ہریرہؓ کی ذاتی رائے سے تعبیر کیا ہے۔ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حاکم نے اسے صحیح تو کہا ہے مگر۔۔۔ دیگر آئمہ فن نے اسے موقوف قرار دیا ہے وَلٰکِنْ رَجَّحَ الْاَئِمَّۃُ غَیْرُہٗ وَقْفَہٗ (بلوغ المرام طبع 1299ھ بھوپال صفحہ 164) اسی طرح حنفی مذہب کے قدیم محدث وامام طحاوی اور دوسرے محدثین ثقات نے اس حدیث کا موقوف ہونا ہی حق اور ثواب سے تعبیر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو موطا امام مالک کی شرح زرقانی، طبع مصر 349/2 ۔نیل الاوطار، مع عون الباری، طبع مصر جلد 2/340/4 تا 4)

حنفی مسلک کے سب سے بڑے فقیہہ "التنقیح" کے مصنف جن کی رائے ناقد محترم نے علامہ عینی کے ذریعے نقل کی ہے وہ بھی اس حدیث کا موقوف ہونا ہی قریب ثواب سمجھتے ہیں۔ بلکہ حنفی مذہب کے سب سے بڑے دفاع کن علامہ جمال الدین زیلعی (متوفی 762ھ) نے صاحب التنقیح کی رائے کو بغیر تبصرے کے نقل کر کے برملا طور پر امام طحاوی کی رائے کو قابل ترجیح قرار دیا ہے۔

ان حوالہ جات کے پیش کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ احناف کے جید علماء اور اماموں نے محدثین کی طرح تسلیم کر لیا ہے کہ بائیکاٹ والی یہ زیر بحث حدیث ارشاد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے۔ قول صحابی ہے اور قول صحابی کی شرعی حیثیت کے بارے میں اہل فن بتصریح فرما چکے ہیں کہ۔۔۔ موقوف روایت متصلاً ہو خواہ منقطعاً یہ قول اور فعل کی آئینہ دار ہوتی ہے جو عَلَی الاَصَحّ، حجت نہیں ہے۔ یعنی دین بننے کی صلاحیت سے عاری ہے (ملاحظہ ہو مقدمہ ترمذی، طبع مجتبائی اور ظفر الامانی صفحہ 185)

علامہ عینی کا تسامح۔ افسوس ہے کہ بخاری کے شارح علامہ بدرالدین عینی، جو ناقد کے بقول ابن حزم سے بدرجہا بڑے پائے کے محدث تھے، حمیت مذہب ان پر اس حد تک غالب آگئی کہ انہوں نے زیر بحث حدیث کے آخر میں "صَاحِبُ التَّنقِیح" کا مبصرانہ نوٹ ہی اڑا دیا۔ یعنی انہوں نے بھی اسے موقوف ہی قرار دیا مگر عینی نے موقوف کا لفظ ان سے نقل ہی نہیں کیا۔ ابن حزم سے بڑے پائے کے محدث کو یہ حرکتِ مذبوحی زیب نہیں دیتی۔ الغرض احناف کے بڑے امام علامہ طحاوی۔ صَاحِبُ التَّنقِیح، علامہ حنفی۔۔ ابن حجر، امام شوکانی، امام زرقانی اور امام صنعانی وغیرہ شارحین احادیث نے اس حدیث کو موقوف ہی قرار دیا ہے۔

غلط پشتیبانی۔ علامہ عینی نے ایک تو یہ کیا کہ صاحب التنقیح کے حوالہ سے اس حدیث کو پیش کر کے مصنف کا مبصرانہ لفظ "موقوف" اڑا دیا۔ دوسری زیادتی یہ فرمائی کہ زیر بحث حدیث کے بارے میں شکست خوردگی کا اس انداز سے اظہار فرمایا، جو اہل علم کو ہرگز زیب نہیں دیتا۔ یعنی وہ فرماتے ہیں کہ حدیث اگر موقوف ہی تسلیم کر لی جائے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے جبکہ ثقہ راوی کا اضافہ عموماً درخور اعتنا ہوتا ہے۔ مقصد یہ کہ راوی نے بجائے یہ کہنے کے کہ ابو ہریرہ نے ایسا کہا ہے اس نے اگر کہہ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد ہے تو اس کی یہ بات اس پر قابل قبول ہوگی کہ وہ ثقہ تھا۔ لیکن مضائقہ تو اس وقت نہیں ہو سکتا تھا جب راوی غلط بیان نہ ہوتا۔ ادھر آپ معلوم کر چکے ہیں کہ ابن عیاش غلط بیان سچا تھا۔ غلط بیان سچا تھا کیا خوب ریت ہے؟ کیا کسی غلط بیان کی گواہی پر قول صحابی کو درجہ حدیث دیا جا سکتا ہے؟

اس حدیث پر ایک اور جرح۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ ایک معمولی سی غفلت یا فرو گزاشت پر ان کلمہ گو مسلمانوں اور صحابہ کرام ؓ کو اپنی برادری اور سرپرستی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت رحمت للعالمین کے خارج نہیں فرما سکتے تھے لیکن

ابن عیاش کی اس حدیث کا مضمون واضح کرتا ہے کہ آپؐ نے حقیقتاً بھی ایسا نوٹس دیا ہوا ہے۔ کیا کسی حدیث کے ضعیف ہونے کے لئے اتنا کافی نہیں ہے کہ وہ رحمۃ للعالمین کی عام پالیسی کے خلاف ہے؟

ان تمام امور کو گوارا کر لینے کے بعد بھی جب ہم روایت کے مضمون پر نظر ڈالتے ہیں تو اس میں کوئی ایسا صیغہ استعمال نہیں کیا گیا جو صراحت کے ساتھ وجوب اور لزوم پر دلالت کرتا ہو۔ چنانچہ اسی بنا پر حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے **وَ لَيْسَ صَرِيْحًا فِي الْإِيْجَاب** یعنی تمام جرحیں اٹھا دینے کے بعد بھی اس سے قربانی کے وجوب کا حکم مستنبط نہیں ہوسکتا۔ (فتح الباری، طبع بولاق) امام ابن حجر کی طرح امام زیلعی حنفی نے بھی ابن الجوزی کے حسب ذیل نوٹ بغیر تبصرے کے نقل کر کے اس بات کا اعتراف کر لیا ہے کہ آپ کے نزدیک بھی اس روایت کے الفاظ سے قربانی کا وجوب مستنبط نہیں ہوسکتا۔

ابن الجوزی "التحقیق" میں فرماتے ہیں کہ **وَهٰذَا الْحَدِيْثُ لَا يَدُلُّ عَلَى الْوُجُوْبِ كَمَا فِيْ حَدِيْثِ مَنْ اَكَلَ الثُّوْمَ فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا** یعنی زیر بحث روایت وجوب پر دلالت نہیں کر سکتی اس کی مثال تو اس حدیث کی ہے جس میں ہے کہ جس نے لہسن کھائے وہ ہماری مساجد میں (تعفن کی وجہ سے) داخل نہ ہو۔ (نصب الرایہ، طبع قاہرہ جلد 207/4)

امید ہے کہ اس مایہ ناز دلیل کے تجزیہ کے بعد ہمارے ناقد حضرات آئندہ کے لئے صدیق اکبرؓ، عمر فاروقؓ، بلال حبشیؓ، ابومسعود بدری، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، امام شافعی، امام مالک، امام احمد، فقہ حنفی کے ستون نمبر 1 امام ابو یوسف، فقہ حنفی کے ستون نمبر 2 امام محمد، ستون نمبر 3 امام طحاوی، امام زیلعی حنفی، امام علقمہ، امام اسود، امام مکہ عطاء بن ابی رباح، امام اسحاق (محدث)۔ امام ابوثور، امام ابراہیم کلبی، امام ابن المنذر، امام ابو داؤد ظاہری، امام بخاری، امام داری، سعید بن جبیر، امام سفیان ثوری، ایک روایت میں امام عبیداللہ بن الحسن، ابو

سلیمان خلید العصری، امام شعبی، امام حسن بصری، امام طاؤس، ابوالشعثاء، جابر بن زید، امام الاحناف ابراہیم نخعی، امام باقر، سعید بن المسیب، امام سفیان بن عیینہ، اور مظلوم امام ابن حزم وغیرہ وغیرہ کے حق میں کسی طرح کے سوءظن سے کام نہیں لیں گے اور قربانی کو واجب تسلیم نہ کرنے کے جرم میں اسلامی برادری سے ان بزرگوں کو خارج نہیں کریں گے۔

مدیر شہاب ۔ مدیر شہاب کے بقول راقم الحروف خائن اور بددیانت ہے وغیرہ۔ اس کا شکوہ نہیں ۔ یہ کہنے کا انہیں حق ہے۔ لیکن ایک شکوہ ضرور ہے کہ تنقید کرتے وقت حضرت والا کے ہوش پر جوش غالب رہتا ہے جس سے ان کی بینائی میں تھوڑا سا فرق آجاتا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ:

> اس روایت کے ایک راوی عبداللہ بن عیاش جسے غلطی سے آپ (ابن حزم) نے اور طارق صاحب نے عبداللہ بن عباس بنادیا ہے۔

حاشا وکلا میں نے ایسا ہرگز ہرگز نہیں بنایا اور نہ ہی لکھا ہے! میں نے عیاش کے یا اور شین کو با اور سین میں ہرگز تبدیل نہیں کیا معلوم ہوتا ہے کہ مدیر شہاب نے ہمارا مقالہ پڑھا ہی نہیں یا پڑھا ہے تو اس سے اثر پذیر ہونے میں، ان کی انا آڑے آئی ہے۔ بہر حال دونوں صورتیں افسوس ناک ہیں۔

دوسری روایت ۔ مدیر شیاب اس عنوان سے ذیل کی حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

> حضرت براابن عازب کہتے ہیں کہ ابو ہریرۃؓ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سوال کیا کہ میرے پاس ایک سال سے کم عمر کی بکری ہے، حضور نے فرمایا تو ذبح کرلو لیکن تمہارے علاوہ اور کسی کے لئے چھوٹا جانور ذبح کرنا کافی نہ ہوگا یہ روایت بخاری اور مسلم دونوں میں آئی ہے۔ اور اس کی صحت میں کوئی تردد نہیں کیا گیا۔ معلوم ہوا کہ شریعت نے قربانی کے جانوروں کے لئے عمر، ذات

وغیرہ کا باقاعدہ تعین کیا ہے اور اگر قربانی واجب نہ ہوتی تو اس میں کفایت اور عدم کفایت کا سوال ہی نہ ہوگا۔(شہاب 63-7-14)

ناقد محترم کی پیش کردہ روایت اور وجہ استدلال آپ کے سامنے ہے۔ آپ پڑھ کر خود ہی اندازہ فرما سکتے ہیں کہ یہاں بھی کوئی ایسا صیغہ استعمال نہیں کیا گیا جو قربانی کے وجوب پر دلالت کرتا ہو۔ باقی رہا قربانی کے احکام کا سوال تو یہ ضروری نہیں کہ واجبات کے احکام تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دے دیے لیکن نوافل وسنن کو بغیر احکام کے رہنے دیا؟! اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ نوافل اور واجبات کے طریق ادا میں کوئی فرق نہیں ہوا کرتا۔ فرق اگر کسی طرح کا ہے تو وہ ارادے اور نیت ہی کا ہے نہ کہ کیفیت کا۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو قربانی کے مسنون طریق کے باب میں ذکر کر کے ناقد محترم کے اجتہاد خام کا اچھی طرح نوٹس لیا ہے۔(بخاری مشکول طبع مصر 99/7)

یہ یاد رہے کہ ناقد محترم نے بخاری ومسلم کے حوالے کے باوجود زیر بحث حدیث کو ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے جو غلط ہے، صحیح ابو بردۃ بن نیار۔ ہے(ملاحظہ ہو مشکول، طبع عبد الحمید حنفی 99/7، صحیح مسلم طبع بولاق 1210ھ)۔

اس حدیث کا مفہوم ۔امام ابن الجوزی نے حدیث ہذا کے ضمن میں لکھا ہے کہ ایک سال سے کم عمر کی بکری کے ذبح کرنے کے معنی یہ ہیں کہ "سنت" کی تکمیل ہو چکی، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حدیث میں وضاحتاً فرما دیا ہے کہ ایسا کرنے والے کے دل میں کوئی خلش باقی نہ رہے۔ **مَنْ فَعَلَہٗ فَقَدْ اَصَابَ سُنَّتَنَا** یعنی اس کمسن بکری کے ذبح کرنے سے، ہماری سنت کا تقاضا پورا ہو گیا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے احکام کی تکمیل کو سنت فرما دیا، اس کے بعد ناقد محترم کے اجتہاد کی وقعت کیا رہ سکتی ہے؟

ایک حدیث اور تین جھوٹ ۔ مولانا کوثر نیازی نے اپنے دلائل کے ضمن میں ایک ایسی روایت کا ذکر بھی کر دیا ہے ، جسے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعبیر کرنا کھلی جسارت کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ آپ فرماتے ہیں اور بلاشبہ غلط فرماتے ہیں کہ:

> ''تیسری صحیح الاسناد روایت صاحب بدائع و الصنائع نے نقل کی ہے کہ:
>
> **عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحُّوْا فَإِنَّهَا سُنَّةُ أَبِيْكُمْ إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ**
>
> قربانی کرو، کیونکہ یہ تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہے۔
>
> اس روایت میں **ضَحُّوْا** صیغہ امر ہے اور صیغہ امر جب تک اس کے برخلاف کوئی قرینہ موجود نہ ہو ہمیشہ وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو قربانی کرنے کا حکم دیا ہے''۔
>
> (شہاب 63-7-14 صفحہ 17 کالم 3)

مولانا کوثر نے مکھی پر مکھی مارنے کی رسم ادا کی اور صاحب بدائع و الصنائع کی بغیر سند اور حوالہ کے خود ایجاد حدیث نقل کر دی ہے اہل علم جانتے ہیں کہ دین معاملے میں اتنی بداحتیاطی اور بغیر تحقیق کے حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو استعمال کرنا دینداری نہیں کہلا سکتا۔ ہم اگر ڈاکٹری مشورے کے لئے بڑھئی کی طرف رجوع نہیں کرتے، سنار کا کام حجام سے نہیں لیتے تو حدیثوں کو ہرایرے غیرے سے نقل کرنا کس قدر افسوسناک حرکت ہے۔ بدائع والصنائع معاف کرنا کوئی حدیث کی کتاب نہیں ہے کہ اس کی بے سند نقل پر اعتماد کیا جا سکے اور نہ ہی اس کے مصنف کو فن حدیث سے کسی طرح کا مس تھا۔ ذیل میں پہلے اصل روایت ملاحظہ ہو جس کا ہمیں بڑی دشواری کے بعد سراغ ملا ہے کہ ابن ماجہ اور احمد کی ہے۔ امام ابن ماجہ فرماتے ہیں کہ:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَلَفٍ الْعَسْقَلَانِيُّ حَدَّثَنَا اٰدَمُ بْنُ اَبِيْ اِيَاسٍ حَدَّثَنَا سَلَّامُ بْنُ مِسْكِيْنٍ حَدَّثَنَا عَائِذُ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْ دَاوٗدَ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ

قَالَ قَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَا ھٰذِہِ الْاَضَاحِیُ؟ قَالَ سُنَّۃُ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ قَالُوْا فَمَا لَنَا فِیْھَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ؟ قَالَ بِکُلِّ شَعْرَۃٍ حَسَنَۃٌ قَالُوْا فَالصُّوْفُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ بِکُلِّ شَعْرَۃٍ مِنَ الصُّوْفِ حَسَنَۃٌ۔ یعنی ۔۔ عائذ اللہ نے ابوداؤد کے ذریعے زید بن ارقم سے روایت کی ہے کہ زید نے واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ قربانیاں کیسی ہیں؟ آپ نے فرمایا، کہ یہ تمہارے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی سنت ہیں!! صحابہ نے پھر عرض کی یارسول اللہ ہمارا اس میں کیا ہے؟ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ تمہارا اس میں بہت کچھ ہے یعنی بکرے کے جتنے بال ہیں اتنی ہی نیکیاں شمار ہوں گی۔ تب صحابہ مکرر ملتمس ہوئے کہ یارسول اللہ بکری کے بال جتنی نیکیاں تو سمجھ میں آگئیں لیکن دنبے کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ آپ نے اس سوال کے جواب میں بھی یہی فرمایا کہ دنبے کی اون کے برابر نیکی ہے۔ (ابن ماجہ طبع مجتبائی دہلی صفحہ 233 سطر 6 تا 9۔ باب ثواب الاضحیۃ)

پہلا جھوٹ۔ مولانا کوثر نے اس روایت کو **صحیح الاسناد** لکھا ہے حالانکہ اس کا راوی عائذ اللہ المجاشعی ضعیف اور ابن ابی حاتم کے نزدیک منکر الحدیث تھا۔ امام بخاری نے اس کی احادیث کو غیر صحیح کہا ہے۔ امام ذہبی نے لکھا ہے کہ زیر بحث حدیث کو اس سے سلام بن مسکین کے علاوہ کسی نے بھی روایت نہیں کیا نیز یہ بھی لکھا ہے کہ عائذ اللہ حدیثیں وضع کرنے کا عادی تھا۔ چنانچہ اس نے قربانی کی فضیلت میں ایک حدیث بنائی جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ ابراہیمی سنت ہے، جس کے ہر بال کے عوض نیکی ہے وغیرہ (میزان الاعتدال) یہ تو تھا عائذ اللہ کا مختصر تعارف اب اس کے استاد ابوداؤد جس کا نام **نفیع بن الحارث** تھا، نابینا اور بھک منگا ہونے

کے علاوہ صرف کنیت سے مشہور تھا اس کا تعارف ملاحظہ ہو۔ ابن حبان نے کہا ہے کہ یہ وہی شخص ہے جس نے زید بن ارقم کے حوالہ سے ایک روایت بیان کی ہے جس کا مضمون تھا کہ صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! یہ قربانیاں کیسی ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہیں الیٰ آخرہ۔ ابن حبان اس کی جھوٹی روایت کو بطور نمونہ پیش کرتے ہوئے اسی زیر بحث روایت کو سامنے رکھا جسے ہمارے کوثر صاحب صحیح الاسناد فرما رہے ہیں۔ بہرحال امام ابن حبان نے کہا ہے کہ: ''اس سے روایت کرنا جائز ہی نہیں ہے''۔ امام یحیٰ بن معین نے فرمایا ہے کہ یہ شخص کذاب تھا۔ امام ذہبی نے قتادہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

''ابوداؤد اندھا تھا، طاعون کے زمانے میں سارا دن بھیک مانگتا پھرتا تھا، اسے زید بن ارقم سے ملنے کا کبھی اتفاق ہی نہیں ہوا''۔ یعنی زید سے اس کی روایت ناممکن اور جھوٹی ہے۔ دارقطنی نے کہا کہ یہ متروک الحدیث ہے۔ امام بخاری نے تمام اہل فن کا ذکر کرکے پھر کہا کہ ان کے نزدیک ابوداؤد مطعون ہے۔ عبدالرحمان بن مہدی اور یحییٰ اس سے روایت ہی نہیں کرتے تھے۔

(میزان الاعتدال 242/3)

ابوداؤد اور اس کے شاگرد عائذ اللہ کے تعارف کے بعد، نامعلوم ان کی اس روایت کو کیونکر صحیح وسچ تسلیم کرلیا جاتا ہے؟ کیا جھوٹے راوی مل کر حدیث نبوی کی تخلیق کریں تو اسے حق و صداقت کا آئینہ دار کہا جاسکتا ہے؟ پھر حدیث بھی وہی جس کی خصوصیت کے ساتھ اہل فن نشاندہی کرتے ہوئے بطور نمونہ دکھلاتے ہیں کہ ان دونوں حضرات کی تخلیقات میں سے ہے!!

دوسرا جھوٹ۔

اپنے مسلک کی تقویت کے لئے صحابہ کرامؓ کے استفہامیہ فقرے **مَا هٰذِهِ الاَضَاحِیُّ** کو بدل کر **بدائع والصنائع** کے مصنف نے **ضَحُّوْا** بنا ڈالا اور اس جھوٹ پر مولانا کوثر نیازی نے اپنی بنیاد پورے وثوق سے یہ کہہ کر رکھ دی کہ اس روایت میں لفظ **ضَحُّوْا** امر کا صیغہ ہے اور

کہ۔۔۔۔پس ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو قربانی کا حکم دیا ہے۔

قبلہ مولانا! اس روایت میں لفظ ضَحُّوْا واقعی امر کا صیغہ ہے۔لیکن یہ فقہا کی اختراع ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نہیں ہے اور آپ جانتے ہیں کہ اپنی ایجادات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا بڑی جسارت ہے۔ نہیں نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر جھوٹ اور فریب استعمال کر کے، الحاد و دہریت اور انکار حدیث کی عمداً آبیاری کرنے کے مترادف ہے۔کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولیں یا جھوٹ کو سچ تسلیم کر کے اہل ایمان سے یہ توقع رکھیں کہ وہ بھی آپ کی طرح، جھوٹ کو سچ ہی تسلیم کر لیں، نہیں تو وہ منکر حدیث ہیں۔۔۔۔۔تو کیا اس سے بڑھ کر انکار حدیث کے لئے کوئی اور وجہ جواز ہو سکتی ہے؟۔

تیسرا جھوٹ۔ بدائع والصنائع کا حوالہ اس انداز سے دیا گیا ہے جیسے یہ کوئی حدیث کی کتاب ہو حالانکہ امر واقعہ اس کے برعکس ہے اور باور کرنا چاہئے کہ فضائل اعمال کی بیشتر روایات کا مآخذ واضعین احادیث ہی رہے ہیں یا پھر وہ صوفیا اور فقیہ جو عمل صالح کی ترغیب دینے کے لئے سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر لوگوں کو راغب کرنا ثواب سمجھتے تھے۔چنانچہ حدیث زیر بحث بھی اسی نوعیت کی ایک روایت ہے اور امام ابن ماجہ نے ثَوَابُ الْاُضْحِيَةِ کے باب میں ذکر کر کے از خود اس کی پوزیشن بھی متعین کر دی کہ اس کا تعلق ثواب کا رسے ہے وجوب سے نہیں!!

دوبارہ قربانی کس لئے؟

ناقد محترم نے اپنے دلائل کو زور دار اور مدلل بنا کر دکھلانے کے ضمن میں چوتھی دلیل کا آغاز اس طرح کیا ہے کہ:

بخاری کی ایک روایت میں حضورؐ نے فرمایا مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلٰوۃِ فَلْیُعِدْ ضَحِیَّۃً وَمَنْ لَّمْ یَذْبَحْ فَلْیَذْبَحْ بِسْمِ اللّٰہِ یعنی جس نے نماز سے پہلے قربانی کی اسے چاہئے کہ وہ اس کا اعادہ کرے اور جس نے ذبح نہیں کیا اسے چاہئے کہ (نماز کے بعد) اللہ کا نام لے کر ذبح کرے۔ اس روایت کو بخاری نے مختلف الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس کی سند میں کوئی کلام نہیں۔ اس روایت میں بھی حضورؐ نے قبل الصلوٰۃ قربانی کرنے پر اعادے کا حکم فرمایا ہے۔ (شہاب 63-7-14)

مولانا کوثر نیازی صاحب نے اپنے آخری فقروں میں صحیح سند کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے کچھ اس انداز سے ختم کیا ہے جیسے آپ نے اپنے مقصد میں بے حد کامیابی حاصل کر لی ہو۔ لیکن افسوس ہے کہ مولانا کی نظر امام بخاری کی اس روایت کے ان الفاظ پر نہیں پڑی جہاں صراحت سے لکھا ہے کہ ترتیب کے لحاظ سے نماز مقدم ہے اور قربانی موخر۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اعمال از قسم واجب ہوں یا سنت، ان میں ترتیب کا لحاظ ضروری ہے۔ خاص کر نفلی اعمال شروع کرنے کے بعد اسی طرح تکمیل کے طالب ہوتے ہیں جس طرح واجب ارکان کا پورا کرنا لازمی ہو جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ایسا ہی ایک واقعہ مشاہدہ فرمایا تو از راہ تنبیہ ایسا کرنے سے یہ کہہ کر روک دیا کہ جس نے ترتیب کے برعکس کام کیا اسے چاہئے کہ از سر نو ترتیب وار پورا کرے۔ اس کی مثال علمائے اسلام کے اس اجماعی مسئلے کی طرح ہے جس کی رو سے اونٹ ذبح کرتے وقت نحر سے پہلے ذبح نہ کرنا چاہئے۔ یعنی پہلے نحر کیا جائے اور اس کے بعد ذبح۔ اور منجملہ دیگر معانی کے نحر کے ایک معنی اونٹ کے سینے کے قریب گہرے چھید کرنے کے بھی ہیں اور ایسا کرنا

بالا جماع واجب ہے لیکن اگر کوئی شخص عام ذبح تو در کنار خود حج کی قربانی کے اونٹ کو بھی بغیر ترتیب کے ذبح یعنی نحر سے پہلے ذبح کر ڈالے تو اس صورت میں دوسرا اونٹ ذبح کرنا واجب نہیں ہے۔
اس سے معلوم ہوا کہ امر اگر ہر حال میں وجوب کے لئے ہوتا تو تو ضروری تھا کہ ترتیب توڑنے والے پر اونٹ کا نحر کرنا دوبارہ واجب ہو جاتا۔ غالباً انہی وجوہات کو سامنے رکھ کر امام بخاری نے بھی اس حدیث سے کسی قسم کے وجوب کا مفہوم نہیں لیا بلکہ سنت قربانی کے باب میں ذکر کر کے صراحتاً اپنا مسلک بھی واضح کر دیا کہ دوبارہ قربانی کرانے کا مقصد طریق سنت کا تحفظ تھا اور بس۔

اس حدیث کا حقیقی مفہوم۔

زیر بحث حدیث کو سامنے رکھ کر ذہن میں چند سوالات ابھر آتے ہیں کہ:
الف: ایسا حکم کیوں دیا گیا؟ کیا اس لئے کہ اس شخص نے ترتیب کے خلاف کیا؟ اس صورت میں کیا آپؐ نے پہلے اسے نماز عید پڑھنے کا حکم دے کر پھر دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا تھا؟ یا یہ کہ
ب: قربانی کرنے والے نے سرے سے عید نماز ہی نہیں پڑھی اور اضحیٰ کر کے عید منا بیٹھا؟
بظاہر دوسرا احتمال صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ جو شخص نماز عید نہیں پڑھتا اس کی قربانی اکارت جانی چاہئے۔ امام ابن دقیق (متوفی 1302م) فرماتے ہیں کہ:

> حدیث (زیر بحث) کو اگر اس کے ظاہر پر محمول کیا جائے تو اس سے یہی مستنبط ہوتا ہے کہ جو شخص عید کی نماز نہیں پڑھتا اس کی قربانی جائز نہیں ہے بلکہ حق تو یہ ہے کہ اگر کوئی سعید روح انسان، حدیث ہذا کا یہی مفہوم لے کر اس کے ظاہر کا احترام کرتا ہے تو وہ بہت ہی بڑا خوش قسمت انسان ہے لیکن اگر حدیث کے ظاہر کا احترام نہیں کیا گیا یعنی اس مفہوم کو تسلیم نہیں گیا گیا تو ضروری ہے کہ جتنی بھی صورتیں بناؤ سب کی سب باعث نزاع ہی رہیں گی (سبل الاسلام 20/204/2 تا23 طبع دہلی)

امام ابن دقیق العید کی اس نورانی تشریح سے واضح ہوتا ہے کہ اس حدیث کا تعلق قربانی کے

وجوب سے نہیں بلکہ اس شخص کے عمل سے ہے جو قربانی کو تو ضروری سمجھتا ہے مگر نماز عید کو ٹرخا دیتا ہے۔ بلکہ امام ابن حیان نے تو اس حدیث کا عنوان ہی یہی باندھا ہے کہ باب من ذبح قبل الصلوٰة (ملاحظہ ہو موارد الظمان الی زوائد ابن حیان ، طبع قاہرہ صفحہ 259 حدیث 1051 تا 1054)

یہاں تک تو مولانا کوثر نیازی کے تمام دلائل کا بالا استیعاب تجزیہ ہو چکا آئندہ اگر آپ نے متانت اور سنجیدگی کو اپنا شیوہ بنایا تو راقم الحروف دیدہ ودل فرش راہ رہے گا۔ لیکن اگر لب ولہجہ میں شائستگی اور علمی عناصر کا فقدان ہوگا تو ابھی سے سن رکھیں کہ ہم ہار گئے اور آپ جیت گئے !!

ہماری معروضات۔ یوں تو بروقت ہی نزاع ختم ہو سکتی تھی، اگر مولانا کھلے دل سے اس بات کا اعتراف کر لیتے کہ احناف کے ماسوا دوسرے مسلمان بھی رائے دہی کا اسلامی حق رکھتے ہیں اور یہ کہ ان کی رائے کا بھی احترام کرنا چاہئے۔ لیکن افسوس کہ آپ نے ایسی رواداری کا مظاہرہ نہیں کیا اور امت اسلام کے اتنے جم غفیر کو اختلاف رائے کی بنا پر قطعاً نظر انداز فرما دیا۔

اس کے معنی یہ ہوئے کہ تمام صحابہ کرامؓ، خاص کر شیخین ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہم دین میں اتنی بصیرت بھی نہیں رکھتے تھے جتنی کہ ذبیحہ عید قربان کو واجب کہنے والے رکھتے ہیں؟ اس غلط انداز فکر کا نوٹس لینے کے لئے ضروری تھا کہ مولانا کے دلائل کا بھرپور جائزہ لیا جائے۔ چنانچہ بحمد اللہ اس کام سے تو فراغت ہو ہی گئی، اب ذیل میں بعض ان دلائل کی تفصیل بھی ملاحظہ ہو جو صحابہ و جمہور امت کے مسلک کی ترجمان ہیں۔

عید قربان کے ذبیحہ کا تعلق اپنے ”ذاتی ارادے“ سے ہے۔

امام ابو محمد عبداللہ عرف دارمی (متوفی 869م) نے بَابُ مَا یستدل من حدیث للنبی (صلی اللہ علیہ و سلم) اَنَّ الاُضْحِیَّةَ لَیْسَ بِوَاجِبٍ کے ذیل میں حضرت

ام سلمہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ذی الحج کا چاند دیکھ کر قربانی کا "ارادہ" کیا تو اسے چاہئے کہ ذبح کرنے سے پہلے نہ تو بال ترشوائے اور نہ ہی ناخن کاٹے (دارمی شریف طبع دمشق 1349ھ جلد 4/76/2 تا 13)-

امام دارمی رحمت اللہ علیہ نے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ مبارکہ "اَرَادَ مِنْكُمْ" سے استدلال کرتے ہوئے عنوان ہی میں قربانی کی پوزیشن واضح کردی کہ حدیث نبویؐ کی رو سے بھی قربانی واجب نہیں ہے۔ اسی طرح امام مسلم نے بھی، سات مختلف اور صحیح سندوں کے ساتھ اسی "ارادے" والی حدیث کو حضرت ام سلمہؓ کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو، مسلم، طبع بولاق 1290ھ جلد 121/2 تا 122 نیز ابوداؤد، طبع مصر 5/3، ترمذی، طبع ہند 196/1 اور ابن ماجہ، طبع، ہند صفحہ 234، نسائی 301/2 وغیرہ)

امام بیہقی (متوفی 1066) نے مَعْرِفَةُ السُّنَنِ وَ الْآثَار میں امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ آپ بھی فرماتے تھے کہ فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ دَلِيْلٌ عَلَى عَدَمِ وُجُوبِ الْاَضْحِيَّةِ لِاَنَّهُ عَلَّقَهُ بِالْاِرَادَةِ تَنَافِي الْوُجُوْبِ یعنی "اس حدیث میں قربانی کے واجب نہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اسے "ارادے" سے متعلق (وابستہ) کیا گیا ہے اور "ارادہ" اصولی طور پر وجوب کے منافی ہے"۔ اسی طرح ابن الجوزی (متوفی 1200م) نے امام احمد بن حنبل سے یہی روایت نقل کی ہے کہ قربانی آپ کے ہاں بھی سنت ہے واجب نہیں ہے اور استدلال یہی حدیث قرار دی ہے۔۔۔(نصب الرایہ طبع قاہرہ 206/4)

موطا امام مالک کے بڑے شارح علامہ زرقانی لکھتے ہیں کہ:

فَفِيْ قَوْلِهٖ اَرَادَ دَلِيْلٌ عَلَى اَنَّهَا غَيْرُ وَاجِبَةٍ وَ صَرَّحَ بِالسُّنَّةِ فِيْ حَدِيْثِ الطَّبْرَانِيِ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوْعًا۔ اَلْاَضْحٰى عَلَيَّ فَرْضٌ وَ عَلَيْكُمْ سُنَّةٌ قَالَ الْحَافِظُ رِجَالُهٗ ثِقَاتٌ لٰكِنْ فِيْ رَفْعِهٖ خُلْفٌ ۔۔۔۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ''ارادے'' کے لفظ نے ایک گونہ مثبت انداز سے یہ بات واضح کردی ہے کہ ذبیحہ عید قربانی، واجب نہیں ہے سنت ہے اور اس کی سنیت پر ابن عباس کی وہ روایت بھی بطور تائید پیش کی جاسکتی ہے جس میں ہے کہ قربانی مجھ پر فرض ہے تم پر سنت ہے۔ پھر لطف یہ کہ بقول ابن حجر اس کے تمام راوی بھی ثقہ ہیں۔ یہ بات کہ حدیث ابن عباس پر موقوف ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔(زرقانی طبع خیریہ قدیم 349/2)

لیجئے اختلاف مسلم، لیکن پھر بھی یہ بات تو بہر حال مسلم ہی رہے گی کہ حضرت ابن عباسؓ وجوب کے قائل ہرگز نہیں تھے۔ امام شافعی، امام احمد اور امام مالک کی طرح امام محمد و امام یوسف بھی اسی ''ارادے'' والی حدیث کی بنا پر ہی وجوب کے منکر ہو گئے تھے۔ حنفی مسلک کے سب سے بڑے شارح حدیث علامہ بدرالدین عینی بطور اعتراف یہی ظاہر کر گئے ہیں کہ امام محمد اور امام یوسف کو حدیث نبوی میں ''ارادے'' کا لفظ ہی اس بات پر آمادہ کر گیا کہ ذبیحہ عید قربان کو سنت کہیں اور واجب تسلیم نہ کریں۔ بلکہ علامہ عینی کی طرح مسلک احناف کے مرد میدان امام طحاوی نے بھی یہی ''ارادے'' والی حدیث ذکر کر کے امام ابوحنیفہ کے دو جلیل القدر شاگردوں کا سنیت کی طرف رجحان تسلیم کرلیا ہے۔۔۔۔ ذیل کا طویل اقتباس بھی اسی تاثر کی صدائے بازگشت ہے۔

وَ ذَکَرَ الطحَاوِیْ اَنَّھَا عَلَی قَوْلِ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَاجِبَۃٌ وَ عَلَی قَولِ اَبِی یُوسُف وَ مُحَمَّدٍ سُنَّۃٌ مُؤکَّدَۃٌ وَوَجْہُ السُّنَّۃِ رَوَاہُ الجَمَاعَۃُ غَیْرُ الْبُخَارِی عَنْ سَعِیْدِ بنِ المُسَیَّبِ عَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ رَاَیٰ ھِلَالَ ذِی الحِجَّۃِ مِنکُمْ وَ اَرَادَ اَنْ یُضَحِّیَ فَلْیَمْسِلْ عَنْ شَعْرِہٖ وَلَا خَارَہٖ وَالتَّعْلِیْقُ بِالْاِرَادَۃِ تُنَافِی الْوُجُوبَ وَ بِھٰذَا اِسْتَدَلَّ اِبْنُ الْجَوْزِی فِی التَّحْقِیقِ الْمُذْھَبُ اَحْمَد۔۔۔ یعنی امام طحاوی نے حضرت امام اعظم سے ذکر کیا ہے کہ آپ قربانی کو واجب فرماتے تھے اور آپ کے شاگرد امام ابو یوسف و محمد سنت

مؤکدہ کہتے تھے اور سنت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ بخاری کے ماسوا حدیث کی پانچ بالا جماع صحیح کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قربانی کو ''ارادے'' سے متعلق کہا گیا ہے اور ارادہ وجوب کی نفی کرتا ہے۔(عمدۃ القاری طبع قاہرہ 59/10)

علامہ عینی نے آگے چل کر، پھر سے اس بات کا اعادہ کرتے ہوئے، ابن عمر کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

ھیَ سُنَّۃٌ یہ قربانی ایک اچھی عادت ہے اور اچھی سنت ہے (عمدۃالقاری 21/10 سطر آخری)

دیگر شارحین حدیث کی طرح سبل السلام کے مصنف لکھتے ہیں کہ:

قربانی واجب ہونے کے دلائل کی کمزوری کے باعث ہی جمہور صحابہ، تابعین اور فقہا اس طرف گئے ہیں کہ یہ سنت موکدہ ہے واجب نہیں ہے۔(سُبُلُ السَّلام طبع فاروقی 203/2)

ان حوالہ جات کے بعد حضرت ناقد محترم کا ذیل کا عذر لنگ علمی دنیا میں کوئی وقعت نہیں رکھتا کہ:

ثانیاً ہر علم کی اصطلاح الگ الگ ہوتی ہے اس وجہ سے بعض اوقات حدیث میں ایک لفظ ایک معنی میں میں استعمال ہوتا ہے اور فقہا کی اصطلاح میں ایک دوسرے معنی میں

(شہاب 63-7-7 صفحہ 20 کالم 1)

کیونکہ گریز اور فرار کے لئے یہ بھی ایک حسین بہانہ تراش لیا گیا ہے، کہ جداگانہ اصلاحات کا چکر چلا کر اہل علم کو ایک سیدھی بات کو خزانہ دماغ میں محفوظ کرنے سے باز رکھا جائے۔ میرا خیال ہے کہ محدثین اور صحابہ کرام سنت اور واجب کے امتیاز کو اسی طرح محسوس کرتے تھے جس طرح کہ محترم مدیر شہاب انمیں فرق کر سکتے ہیں۔

قربانی سنت ہے مگر اختیاری۔

راقم الحروف نے اپنے مضمون میں صحابہ، محدثین اور فقہا کا مسلک واضح کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ان کے نزدیک قربانی ایک اچھی سنت ہے فرض نہیں ہے اور جو شخص بھی، بدنیتی کی غرض سے نہیں، بلکہ نیک نیتی سے نہیں کرنا چاہتا تو اس پر نہ تو عتاب ہے اور نہ ہی کوئی شرعی سرزنش۔ لیکن مدیر شہاب نے اتنے بڑے دعویٰ کا نوٹس نہیں لیا اور خاموشی سے اس طرح گزر گئے کہ گویا

کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ اب ذیل میں ان بزرگ شخصیتوں کے اسمائے گرامی ملاحظہ ہوں جو قربانی ترک کر دینے والے کو خطاکار یا گنہگار نہیں سمجھتے تھے۔ علامہ عینی لکھتے ہیں کہ:

وَاختَلَفُوا فِيْهَا فَقَالَ سَعِيْدُ بْنُ المسيب و عطاء بنُ اَبِی رباح و علقمه و الاسود و الشافعي و ابو ثور لَا تَجِبُ فَرْضًا لٰكِنَّهَا مَنْدُوْبٌ اِلَيْهَا مَنْ فَعَلَهَا كَانَ مُثَابًا وَ مُتَخَلِّفٌ عَنْهَا لَا يَكُوْنُ اٰثِمًا وَرَدَ ذَالِكَ عَنْ اَبِی بَكْرٍ وَ عُمَرَ وَ اَبِی مَسْعُوْدِ الْبَدْرِیْ وَ بِلَال۔۔ یعنی قربانی کی شرعی حیثیت کے بارے میں قدیم ہی سے اختلاف ہے۔ سعید، عطا، علقمہ، اسود، اور ابوثور، اسی طرح ابوبکرؓ و عمرؓ، ابومسعودؓ اور بلالؓ فرماتے تھے کہ یہ واجب نہیں ہے البتہ اس نوعیت کا عمل ضرور ہے کہ کرنے والا ثواب کا مستحق ہو جاتا ہے اور نہ کرنے والا کسی برائی اور گناہ کا مرتکب نہیں ہوتا۔ (عمدۃ القاری 10/59/20 تا 23)

اس اقتباس میں علامہ بدرالدین عینی حنفی نے کھلے دل سے اعتراف کر لیا ہے کہ قربانی کی شرعی حیثیت، ابتداہی سے مختلف فیہ رہی ہے، اور اسی ہی بناپر قربانی نہ کرنے والوں پر کسی طرح کا طنز و تشنیع نہیں کیا جاتا۔ مولانا کوثر اگر اپنے پیشروں کا یہ مشورہ قبول فرماتے تو امید تھی کہ بہت سی علمی خامیوں اور کمزوریوں کے اظہار سے بچ جاتے اور یقین واثق تھا کہ اس طرح آپ بہت سی ان لغزشوں سے بھی محفوظ رہ جاتے جو نظریاتی اختلاف کی بنا پر، ضد، تعصب اور لاعلمی کا ثمرہ بن کر ظہور میں آتی رہیں۔

تنکے کا سہارا۔ قربانی ایک اختیاری سنت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بجا طور پر ''ارادے'' اور اختیار سے وابستہ فرما کر وجوب کی پوزیشن کمزور کر دی ہے۔ لیکن واجب کہنے والے فرماتے ہیں کہ اس مقام پر ارادے کا لفظ ضروری ہے کہ وجوب ہی کے لئے ہو کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کرنے کو بھی ارادے ہی سے وابستہ فرمایا ہے یعنی مرنے والا جب اپنے ورثاء کے حق میں وصیت کرنے کا ارادہ کرے تو۔۔۔۔۔ اب اگر ارادے کی وجہ

سے وصیت کو بھی غیر واجب ہی کہا جائے تو یہ اصولاً غلط ہے وغیرہ وغیرہ لیکن صاحب تنقیح اور دیگر حضرات یہ بھول گئے کہ وصیت کا وجوب یا فرضیت حدیث نبویؐ کی بنا پر نہیں ہے اس کے لئے الگ قرآنی حکم موجود ہے۔ ارشاد ہے کہ **کتب علیکم اذا حضر احد کم الموت** (بقرہ، 180) یہ تو حکم خداوندی ہے اس میں ارادے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ امید ہے کہ جس تنکے کا آخری سہارا لیا گیا تھا اس کی حقیقت بھی سمجھ میں آ چکی ہوگی۔

علماء کو چاہئے کہ قربانی کرنا چھوڑ دیں۔

یہ اعتراض کہ سیدنا صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ مالدار ہوتے ہوئے بھی قربانی سے گریز کرتے رہے، ظاہر کرتا ہے کہ ان کے نزدیک قربانی واجب نہیں تھی۔ اس کے جواب میں علامہ بدرالدین حنفی فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں کہ:

وَ اُجِيْبَ بِاَنَّ مَنْ تَرَكَهَا مِنْهُمْ لَمْ يَتْرُكْهَا لِاَنَّهَا غَيْرُ مُؤَكَّدَةٍ وَ اِنَّمَا تَرَكَهَا لِمَا رَوَى مَعْمَرٌ وَ الثَّوْرِىُّ اَنَّ اَبِى وَائِلٍ قَالَ قَالَ اَبُوْ مَسْعُوْدِ الاَنْصَارِىُّ اِنِّى لَاَدَعُ الاَضْحَى وَ اَنَا مُوْسِرٌ مَخَافَةَ اَنْ يَرَى جِيْرَانِى اَنَّهُ حَتْمٌ عَلَىَّ. وَرَوَى الثَّوْرِىُّ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ مُهَاجِرٍ عَنِ النَّخْعِى عَنْ عَلْقَمَهَ قَالَ لِاَنْ لَا اُضَحِّيَ اَحَبُّ اَنْ اَرَاهُ حَقًّا عَلَىَّ وَ قَالَ ابْنُ بَطَّالٍ وَ هٰكَذَا يَنْبَغِىْ لِلْعَالِمِ الَّذِىْ يُقْتَدَى بِهٖ اِذَا خَشِىَ مِنَ الْعَامَةِ اَنْ يَلْتَزِمَ السُّنَنَ الْتِزَامَ الْفَرَائِضِ اَنْ يَتْرُكَهَا لِئَلَّا يَتَّسِىْ بِهٖ وَ لِئَلَّا يُخَلِطَ عَلَى النَّاسِ اَمْ دِيْنِهٖ وَ الْيُفَرِّقُوْا بَيْنَ فَرْضِهِمْ، وَ نَفْلِهِمْ......

یعنی اس کا جواب یہ ہے کہ جو صحابہ کرام ذبیحہ مروجہ کے تارک تھے تو وہ اس نیت سے ترک کرنے والے نہیں تھے کہ اپنے نقطہ نظر سے سنت موکدہ بھی نہیں سمجھتے تھے؟ نہیں ایسا نہیں تھا۔ ابومسعود بدری نے ترک قربانی کے اسباب میں سے جو سبب بیان کیا ہے اور فرمایا ہے کہ مالدار ہو کر میں اس وجہ سے قربانی ترک کر چکا ہوں تاکہ

میرے پڑوسی یہ نہ سمجھ لیں کہ مجھ پر واجب تھی؟ یعنی وجوب کے عقیدہ کی مخالفت
کے ضمن میں ہی ضروری ہو گیا ہے کہ سرے سے قربانی ہی نہ کروں، وغیرہ۔۔۔۔۔
اسی طرح حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ میرے لئے قربانی نہ کرنا اس سے بہتر ہے کہ
میں اسے اپنے پر واجب تصور کرلوں۔۔۔۔امام علی بن خلف عرف ابن بطال
(متوفی 1057م۔449ھ)
قرطبی شارح بخاری نے انہی وجوہات کی بنا پر لکھا ہے کہ ایسا عالم باعمل جس کی
لوگوں میں خوب پذیرائی ہے، وہ جب محسوس کرے کہ لوگ سنتوں میں فرضوں
جیسی دلچسپی لے رہے ہیں تو چاہئے کہ وہ خود بھی ایسے کام کو ترک کر دے تا کہ لوگ
اس کی اقتدا کے بہانے فرض اور سنت کے امتیاز کو مٹا کر، دین اسلام کے ضروری حدود
ہی کو خلط ملط کر دینے کا موجب نہ بنیں۔(عمدۃ القاری جلد 1/61/10 تا 6)

سلف صالحین کے اس واضح مسلک اور علامہ عینی کے بے لاگ تبصرے کی روشنی میں ان حضرات کو اپنے رشحات قلم پر نظر ثانی کرنا چاہئے جو الحاد و دہریت کی پھبتیاں چست کر کے اہل تحقیق کی زبان حق بیان کو گنگ کر دینے کے خوگر بن چکے ہیں اور قربانی کو اس بنا پر سنت تسلیم کرنے کے روادار نہیں بن رہے کہ اس طرح کیس قابل ضمانت ہو جائے گا اور بالآخر قابل رہائی۔

دس کروڑ پاکستانیوں کی طرف سے ایک بکرا۔

امام ابوداؤد (متوفی 302ھ) ''جماعت کی طرف سے ایک بکری'' کے عنوان میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ.

شَهِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لِاُضْحىٰ بِالْمُصَلّٰى. فلما
قَضٰى خُطْبَةً نَزَلَ مِنْ مِنْبَرِهٖ وَاُتِيَ بِكَبْشٍ فَذَبَحَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ
سَلَّمَ بِيَدِهٖ وَقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ، هٰذَا عَنِّيْ وَعَمَّنْ لَمْ يُضَحِّ مِنْ اُمَّتِنَا

۔۔۔یعنی میں عیدالاضحیٰ پڑھتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا آپ جب

خطبہ سے فارغ ہوکر منبر سے نیچے تشریف لائے تو ایک دنبہ لایا گیا جسے آپ نے بسم الله و الله اکبر کہہ کر ذبح کرتے ہوئے فرمایا، یہ میری اور میری امت میں سے جس نے قربانی (عمداً خواہ مجبوراً) نہیں کی اس کی طرف سے یہ قربانی ہے۔

(ابوداؤد طبع مصر 3/130-131)

اس حدیث مبارکہ میں عَمَّنْ لَمْ یُضَحِّ (جس نے قربانی نہیں کی) کا فقرہ غیر مشروط ہے، غنی و درویش سب اس میں برابر ہیں۔ اسی طرح امام زیلعی حنفی متعدد احادیث حسب ذیل مفہوم لاتے ہیں جن سے حالیہ حدیث کے مفہوم کی حرف بحرف تائید متشرح ہوتی ہے۔ ارشاد ہے کہ:

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ضَحّٰی بِکَبْشٍ عَنْہُ وَعَنْ اُمَّتِہٖ

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اور اپنی امت کی جانب سے ایک دنبہ ذبح کیا۔

نیز دیگر احادیث میں یہ تصریح موجود ہے کہ آپ نے ذبح کرتے وقت یہ ارشاد فرمایا کہ یہ قربانی میری طرف سے میری آل کی طرف سے اور میری امت کی طرف سے ہے وغیرہ۔ ان تمام احادیث کو ملا کر نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پورے خاندان یا اپنی تمام امت کی طرف سے ایک ہی دنبہ کافی سمجھتے اور عملاً اسی کو ذبح کرتے تھے۔ شارحین احادیث لکھتے ہیں اور کیا برجستہ لکھتے ہیں کہ:

یُضَحِّیْ بِالشَّاۃِ عَنْہُ وَعَنْ اَھْلِ بَیْتِہٖ فِیْہِ دَلِیْلٌ عَلٰی اَنَّ الشَّاۃَ یُجْزِیْ عَنْ اَھْلِ الْبَیْتِ لِاَنَّ الصَّحَابَۃَ کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ذَالِكَ فِیْ عَھْدِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالظَّاھِرُ اِطِّلَاعُہٗ فَلَا۔ یُنْکِرُ عَلَیْھِمْ وَیَدُلُّ ذَالِكَ اَیْضًا عَلٰی کُلِّ اَھْلِ بَیْتٍ فِیْ کُلِّ عَامٍ ضَحِیَّۃٌ۔۔۔۔ یعنی پورے خاندان کی طرف سے ایک بکری ذبح کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کام جائز ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باخبری میں ایسا کرتے رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطلاع اور اطلاع کے بعد آپ کا ان کو نہ ٹوکنا جواز کی سب سے بڑی دلیل ہے نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ہر سال قربانی کرنی چاہئے

(نیل الاوطار مع عون الباری طبع مصر 17/353/4 تا 20)

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے قاضی شوکانی فرماتے ہیں کہ:

وَالْحَقُّ اَنَّھَا تَجْزِی عَنْ اَھْلِ الْبَیْتِ وَاِنْ کَانُوْا مِأَةَ نَفْسٍ اَوْ اَکْثَرَ کَمَا قَضَیْتَ بِذَالِکَ السُّنَّةُ۔ یعنی حق بات تو یہ ہے کہ پورے خاندان کی طرف سے ایک بکرا ذبح کرنا یقیناً کافی ہوگا، اگرچہ ایسا خاندان سو یا سو سے بھی زیادہ افراد پر ہی کیوں نہ مشتمل ہو۔ جیسا کہ احادیث نبوی کے عام لفظ (امتی) سے واضح ہوتا ہے۔ (نیل الاوطار 353/4 آخری سطر)

امام احمد ابن حنبل اور امام اسحاق بھی ایسا ہی فرماتے تھے۔ مولانا السید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بخاری و مسلم کے حوالہ سے اپنے رسالہ میں ایک حدیث لائے ہیں جس کا مفہوم ہے کہ آپ نے ملیح رنگ کے دو دنبے ذبح کئے، ایک اپنی طرف سے اور ایک پوری امت کی طرف سے وغیرہ۔

راقم الحروف عرض پرداز ہے کہ جو لوگ اسے سنت یا فرض بطور "کفایہ" قرار دیتے ہیں ان کے نقطہ نظر اور احادیث نبوی علیہ السلام کے لفظ (امتی) میں جو ہم آہنگی پائی جاتی ہے اس سے بغیر کسی تاویل کے یہی بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر کسی مملکت کا سربراہ پوری ملت کی طرف سے ایک بکرا یا دنبہ ذبح کر دے (جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امت کی طرف سے کرتے رہے) تو اصولاً درست اور دلائل کی رو سے برحق ہے اور اس سے سنت نبوی کا تقاضا یقیناً پورا ہو سکتا ہے۔

قربانی یا نمائش؟

ہر فرد کی طرف سے الگ الگ بکرا یا دنبہ ذبح کرنا بعد کی پیداوار ہے، عہد نبویؐ میں اس کا رواج نہیں تھا۔ امام مالک اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں کہ:

عَنْ عَمَارَہ بْنِ صَیَادٍ عَنْ عَطَا بْنِ یَسَارٍ اَخْبَرَہُ عَنْ اَبَا اَیُّوبَ الْاَنْصَارِی اَخْبَرَہ قَالَ کُنَّا نُضَحِّی بِالشَّاةِ الوَاحِدَةِ یَذْبَحُھَا الرَّجُلُ عَنْہُ وَعَنْ اَھْلِ

بَيْتِهِ ثُمَّ تَبَاهَى النَّاسُ فَصَارَتْ مُبَاهَاةً۔ یعنی ابوایوبؓ انصاری فرماتے ہیں کہ ہم میں سے قربانی کرنے والا اپنے کنبے کی طرف سے ایک ہی بکری ذبح کرلیا کرتا تھا۔ بعد میں لوگ فخرومباہات میں آگئے اور قربانی نمائش بن کر رہ گئی۔

(موطا امام مالک ولی اللہ ایڈیشن 1/182/8 تا 4)

اعتراض: اس حدیث پر فقہا کو یہ اعتراض ہے کہ اگر پورے خاندان کی طرف سے ایک بکری کافی ہوتی تو ضروری تھا کہ نذر کعبہ کے طور پر جو بکرا بھیج دیا جاتا تھا اس میں بھی ایک سے زائد افراد شامل ہوسکتے یا وہ بھی کنبے کی طرف سے کفایت کرجاتا وغیرہ۔ اس کے جواب میں امام شوکانی فرماتے ہیں کہ:

> یہ قیاس ہی سرے سے غلط ہے کیونکہ عام قربانی اور ہدیہ کعبہ میں بڑا فرق ہے، اور اہل بصیرت پر مخفی نہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پوری امت کی طرف سے ایک ہی بکرا ذبح کرنا بڑی حجت اور برھان ہے، ان لوگوں پر جو قیاس فاسد کے ذریعے اسے بے حجت بنا رہے ہیں۔ (خلاصہ از نیل الاوطار 4/354/4)

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی زیادہ یہ لوگ سمجھدار ہیں؟ نیز یہ کہ ہدیہ کعبہ مناسک حج میں شامل ہے۔ یعنی جس طرح حج کسی شخص پر ذاتی فریضہ کی حیثیت رکھتا ہے اسی طرح حج کے متعلقات بھی ذاتی حیثیت ہی رکھتے ہیں لیکن کعبہ سے باہر کی قربانی کو یہ شرف کہاں؟

یہ یاد رہے کہ عنوان ''امام شافعی اور فرض کفایہ'' کی ذیل میں واضح کیا جاچکا ہے کہ حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قربانی زیادہ سے زیادہ فرض کفایہ ہے جس کی تعریف یہ ہے کہ پورے شہر میں سے اگر دو ایک افراد اس کی ادئیگی کردیں تو باقیوں پر سے ادائیگی ساقط ہوجائے گی۔ جیسے نماز جنازہ ہے جو فرض کفایہ کی حیثیت سے متعارف ہے۔ اسی طرح امام شافعی سے پہلے امام مالک بھی اس کی سنیت کا اشارہ کرچکے تھے بلکہ سنت کفایہ فرما کر ایسی سنت کے خانے

میں رکھ چکے ہیں جس کی ادیگی ہر ایک پر لازم نہیں ہے۔

امام ابن حزم کی انفرادیت۔

مولانا کوثر نیازی نے ابن حزم کی انفرادیت کو اچھال اچھال کر یہ تاثر دیا ہے کہ اس شخص کی انفرادیت کی وجہ سے اسکی تمام باتیں پایہ اعتبار سے ساقط ہیں وغیرہ۔ پھر انفرادیت کے نمونے کے طور پر یہ واقعہ لکھا ہے کہ آپ پرندے کی قربانی بھی جائز سمجھتے تھے وغیرہ۔

مولانا کی اسی ذہنیت کا آپریشن کرنے کے لئے ہم نے اس تازہ مضمون میں ابن حزم کی طرف رجوع کیا اور نہ ہی پہلے کی طرح المحلی سے حوالے اخذ کئے ہیں۔اور ہماری انتہائی کوشش یہی رہی کہ ابن حزم کے ماسوا، جتنے اہل بصیرت نے اس موضوع پر لکھا ہے، انہی کی طرف رجوع کرنا چاہیے تاکہ دنیا پر واضح ہو کہ:

نہ من تنہا دریں میخانہ مستم ‏ ‏ ‏ ‏ جنید و شبلی و عطار شد مست

یعنی کہ ان تمام باتوں میں جو سابقہ مضمون میں ذکر ہو چکیں، تنہا ابن حزم ہی منفرد نہیں، ان کے ساتھ ایک کائنات ہم آہنگ ہے۔اور تو اور پرندے (مرغی وغیرہ) کے ذبح کرنے کے ضمن میں جس انفرادیت کو آڑ بنایا گیا ہے اس میں بھی وہ منفرد نہیں، ایک جلیل القدر صحابی رسولؐ بھی اسی بات کے قائل تھے۔ملاحظہ ہو اصل حوالہ، تاہم اگر انفرادیت ہی باعث قدح ہے تو کیا مولانا صاحب اسی معیار تنقید کو اس وقت گوارا کر لیں گے جب علمائے اسلام مولانا مودودی کے غلاف کعبہ کو شعائر اللہ سے نامزد کرنے پر یہ کہہ دیں کہ مولانا اپنے اس نظریے میں منفرد اور مسلک شذوذ کے بانی ہیں لہٰذا تمام باتیں ساقط الاعتبار ہیں؟

احادیث۔۔گورکھ دھندا۔

قربانی کی شرعی حیثیت واضح کرنے کے لئے راقم الحروف نے تیس کے لگ بگ صحابہ، تابعین، فقہا اور محدثین کے نام گنوا کر ثابت کیا تھا کہ یہ حضرات وجوب کے قائل نہیں تھے اور جہاں تک اسوۃ الرسولؐ کی پابندی کا تعلق ہے تو ان سے بڑھ کر اس کا پابند کون ہو سکتا تھا؟ ہماری اس بات کا کسی نے بھی علمی طور پر جائزہ نہیں لیا اور نہ ہی ایسی زحمت گوارا کی۔ البتہ ایک بزرگ جو غالباً کسی اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہوتے ہیں انہوں نے ثبوت قربانی کے ضمن میں الزامی سوالات کر کے اپنی قابلیت کا سکہ اس طرح بٹھایا کہ: پاکستان میں روزانہ اتنی مقدار میں بکریاں ذبح ہوتی ہیں جن کی مجموعی قیمت فلاں تناسب سے اتنے کروڑ روپیہ یومیہ بنتی ہے۔ جو سراسر ضائع جا رہی ہے۔ پس اگر دولت کا ضیاع یہاں گوارا ہے تو عید قربان کے موقع پر کیوں نہیں؟

ہم نے ان حضرات کے نازک جذبات کو نہیں چھیڑا، اور نہ ہی ان پر واضح کیا کہ ہم نے کب گوشت خوری کی بدہضمی کی حد تک تبلیغ کی، اور مسلمانوں کو مجبور کیا کہ وہ ضرور ہی گوشت کھائیں؟ مزید یہ کہ ان انکل پچو حسابات کا اسلامی مسائل کی تکنیک میں کیا دخل ہے اور کیوں یہ حضرات الزامی سوالات پیش کر رہے ہیں؟

تعجب ہے کہ جو حضرات روایات و احادیث کا احترام سے نام لینا بھی روا نہیں سمجھتے وہ بھی لٹھ لے کر ہمارے پیچھے پڑنے کی فکر میں ہیں۔ دیکھئے ہیڈ ماسٹر صاحب کیا گل فشانی فرماتے ہیں کہ:

"باقی رہا سوال کہ قربانی واجب ہے یا سنت ... میرے خیال میں آپ مسلمانوں کو روایات کے گورکھ دھندے میں پھنسا کر پریشان کرنا چاہتے ہیں" (نصرت جولائی صفحہ 18)

سنا آپ نے روایات کا گورکھ دھندا؟ یہی الفاظ اگر ہم جیسے کسی گناہ گار کے منہ سے

لاعلمی میں نکل جاتے توان حضرات کے نقطہ نظر سے کیمونسٹ، بے دین، منکر حدیث، ملحد، نصرانی، مغالطہ آفرین اور گردن زدنی ٹھہر جاتے۔لیکن یہ حضرات اگر چاہیں تو اپنے مسلک کے تحفظ کی خاطر احادیث نبویؐ اور روایات کے ذخیرے کو گورکھ دھندا کہہ کر بھی پکے حاملین سنت ،خالص متبعین رسولؐ اور کہ حور وقصور کے علاوہ ستر ستر ہزار لونڈیوں کے بلاشرکت غیرے آقا بھی بن سکتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ناقدین حضرات انہی احادیث پر ایمان رکھتے ہیں جو محدثین کی بجائے فقہا کے نقطہ نظر کی ترجمان اور معاون بن سکیں۔ان کے یہاں وہی احادیث گورکھ دھندا ہیں جو ان کے فقہی نظریات کی موید نہیں ہیں، نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فرامین۔۔ ۔۔۔اوران حضرات کے اسی طرز عمل کا روز اول ہی سے قرآن شاکی رہا ہے کہ:

يُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَيَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ

جس صاحب نے احادیث کو گورکھ دھندا اور وجہ پریشانی کہا ہے ان کا دوسرا ارشاد ہے کہ:

''میں نے جو کچھ کہا ہے وہ سب غیر اسلامی عقیدے کی خاطر تھا''

لیکن ان حضرات سے کوئی پوچھے کہ بقول امام شرف الدین نووی ابوبکرؓ، عمرؓ، بلالؓ، ابومسعودؓ، سعیدؒ بن المسیب، علقمہ، اسود، عطاء، امام مالک، امام احمد، ابو یوسف، اسحاق، ابوثور، مزنی، ابن المنذر، ابوداؤد یا بقول صاحب ابن مسعود، ابن عباس، تمام اہلبیت ورشتہ داران نبی علیہ السلام، امام شافعی وابو یوسف ومحمد بھی اس غیر اسلامی عقیدے کی خاطر ہی وجوب کے منکر تھے یا سرے ہی سے تارکین میں سے تھے ۔۔۔۔(نیل الاوطار 4/342/4 تا 9)

ناظرین محترم: یہاں تک تو لاہور کے امیر جماعت اسلامی محترم کوثر نیازی مرحوم کے جارحانہ اعتراضات کے جوابات اور اپنی خامکاری کی صفائی میں جو کچھ کہنا تھا عرض کر دیا ہے۔اب انصاف کا ترازو آپ کے ہاتھ میں ہے۔آیئے اب چلتے چلتے اسکی وضاحت بھی ہو جائے کہ ''اضحی'' جسے ہم قربانی کہتے ہیں قرآن کا لفظ ہی نہیں ہے اور نہ ہی قرآن نے '' ضحو''

(ض، ح،و) کے مادے کواصطلاحی قربانی کے مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ قرآن میں شام ڈھلے کے مقابل صبحدم کے مفہوم میں آیا ہے(اعراف،97....طٰہٰ، 59....والضحیٰ، 1 ....النازعات ، 29 ، 46..... الشمس ، 1) بایں ہمہ ذی الحج کی دس تاریخ کی قربانی کے معنےٰ میں نہ معلوم کس مناسبت سے لایا گیا ہے؟اور وہ بھی قید مقام سے ماورا۔ جبکہ عام ذبیحہ کے لئے نحر، بُدن اور بُہیمة الانعام کے الفاظ لائے گئے ہیں اوران ہی جانوروں کوخاص قربانی کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے۔ بلکہ ''هَدْيِ'' (البقرۃ،196) کالفظ اشارہ دیتا ہے کہ کہ قربانی کا تعلق صرف اورصرف کعبہ اقدس (بقرہ، 196) یعنی حدودحرم سے ہے جومکہ کے سوادنیا کے کسی بھی حصے میں نہیں ہے اوراللہ کے حکم یاہدایت کی رو سے بیرون حدودحرم کوئی بھی قربانی ثابت نہیں ہے۔ جہاں مکہ ہوگا، منےٰ کا میدان ہوگا وہاں یہ قربانیاں ہوں گی۔اس وضاحت کے ساتھ ہی عنوان ''قربانی ہرجگہ یاصرف دامنِ کعبہ میں'' آپ اگلے صفحہ پرملاحظہ فرمائیں گے ۔

حقیقت یہ ہے کہ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انْحَرْ ہو یا دیگر آیات یہ دراصل ان صلاتی و نسکی (انعام۔163) کی صدائے بازگشت ہے کہ صلوٰۃ ہو تو ''رب'' کے لئے اور ذبیحہ ہو تو ''رب'' کیلئے۔

ہاں دور سے تھکے ماندے لوگ جب سفر کا مقصد یعنی قیام عرفات پالیں،تومنیٰ میں جشنِ حج منانے کے لیئے حج سے متعلق خاص قربانیاں کریں، کھائیں پئیں، لوگوں کوکھلائیں ضیافتیں اڑائیں کہ یہ ذبیحے حدودحرم کی خاص ایام کے ذبیحے ہی عبادت کی حیثیت رکھتے ہیں۔اس کے علاوہ قید مقام سے ماورا ہرقربانی رسم ہے،حلال ہے،حرام نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

قربانی ہر جگہ یا صرف وامن کعبہ میں۔

حج کے ایام شروع ہیں آج سے تین ماہ پہلے بکروں، دنبوں اور گایوں کی خصوصی پرورش برائے قربانی زور شور سے شروع ہو چکی ہے۔ یکم سے نو ذی الحج تک کہیں چالیس سے پچپن ہزار روپے تک فی بکرا دام دیئے اور وصول کئے جاتے ہیں اور یہ سب اہتمام حصول جنت کے لئے ہوتا ہے۔ وہ جنت جو لاکھوں میل دور تعمیر ہو گی اور اس تک پہنچنے کے لئے پہلے جہنم کو پار کرنا ہو گا۔ اور یہ پار کرنا تیز رفتار راکٹوں کے ذریعے نہ ہو گا بلکہ جہنم کے اوپر بال سے باریک اور تلوار سے تیز ''پل'' رکھا جائے گا جسے قربانی کے جانوروں پر سوار ہو کر پار کر لیا جائے گا۔ یہ جانور اتنے طویل پل کو نہایت ہوشیاری اور توازن کے ساتھ بڑی سرعت سے پار کر لیں گے اور جنت کی یہ سواریاں جب منزل مقصود تک پہنچیں گی تو سواروں کو دنیاوی عیوب و آلائشوں سے پاک صاف کر دیا جائے گا۔ محدث کبیر امام ابن ماجہ قزوینی (887م) اپنی سند سے روایت کرتے ہیں، جس کے مفہوم کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے۔ فرمایا رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم نے:

''مَا مِنْ اَحَدٍ يُدْخِلُهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ اِلَّا زَوَّجَهُ اللّٰهُ اِثْنَيْنِ وَ سَبْعِيْنَ زَوْجَةً اِثْنَتَيْنِ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ سَبْعِيْنَ مِنْ مِيْرَاثِهٖ مِنْ اَهْلِ النَّارِ مَا مِنْهُنَّ وَاحِدَةٌ اِلَّا وَلَهَا قُبُلٌ شَهِيٌّ وَلَهٗ ذَكَرٌ لَا يَنْثَنِيْ.

اللہ سبحانہ جب کسی کو جنت میں داخل فرما دیں گے تو اسے 72 حوروں کو آغوش میں دبانے کا پروانہ عطا فرما دیں گے۔ ان میں سے دو تو خود جنت کی حوریں ہوں گی لیکن 70 وہ کافر ادا حسینائیں ہونگی جو اہل نار مالکوں سے بطور انعام ملیں گی یعنی

جنت میں کافر تو نہ جائیں گے مگر ان کی کافرادا حسینائیں جنتیوں کوارزاں ہوں گی۔
اور اس وقت یہ بھی ہوگا کہ نواردوں کے جسمانی عیوب اور نقائص دور کردئے جائیں
گے، نسوانی ۔۔۔۔ کو قابل خواہش حد تک سکیڑ دیا جائے گا اور مردانہ ۔۔۔۔ میں اس حد
تک کرنٹ بھر دیا جائے گا کہ ٹیڑھے پن اور کجی کا عیب جاتا رہے گا۔ (ابن ماجہ، ادارہ
احیائے السنۃ المحمدیہ سرگودھا سائز کلاں صفحہ 14/323 تا 16)

یہ ترجمہ امام محمد بن عبدالہادی السندھی (1726م) کے حاشیہ ابن ماجہ، طبع قاہرہ، کے تعاون سے کیا گیا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اتنی مہنگی جنت کے حصول کے لئے جانوروں کی قربانی کو وسیلہ بنانا ناگزیر تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ اسی قربانی کے لئے ہی قرآن فرماتا ہے کہ **فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَر** اے محمد علیک السلام، صلوٰۃ بھی اللہ کے لئے قائم کرو اور قربانی بھی اسی کے لئے (الکوثر، 2)

قول فیصل۔ یہ درست ہے کہ وانحر کا صیغہ امر کا غماز ہے لیکن الکوثر کا اس قربانی سے کوئی تعلق نہیں ہے جو عید ذی الحج کے موقع پر کی جاتی ہے کیونکہ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ صرف حاجی صاحبان کریں اور حدود حرم میں کریں کہ حرم کے باہر ان کی بھی قربانی نہیں ہوسکتی کہ عرفات بھی حدود حرم سے باہر ہے۔ اس وضاحت کی روشنی میں آیۃ کوثر کو انعام کے تناظر میں دیکھنا چاہئے، جہاں فرمایا اِنَّ صَلَاتِي وَ نُسُكِي وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

میری صلوٰۃ اور میری ہر اطاعت گزاری حتیٰ کہ جینا اور مرنا بھی اللہ رب العلمین کے لئے ہے۔ (انعام، 163) اس آیت میں اہل توحید کی عبادات کو یہ جہت دیدی گئی ہے کہ وہ صرف اللہ رب العالمین کے لئے خاص ہیں۔ بعینہ اس ہی پالیسی کو الکوثر میں دہرا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد دہانی کرائی گئی ہے کہ جنابؐ کی بدنی عبادات ہوں خواہ مالی (انعام، 163) کی نہج کے مطابق اللہ رب العلمین کے لئے ہوں فصلّ کے بعد حرف عطف "و" کے ذریعے انحر

کا فعل امر لایا گیا ہے یعنی فرمایا کہ جو پالیسی فصل کے لئے ہے، عطف کے زریعے وہی انحر کے لئے بھی ہے اور گرامر کے لہجے میں عبارت یوں بنے گی فصل لربک وانحر لربک یعنی قیام صلوٰۃ کی بجا آوری ہو خواہ کسی ذبیحہ کا اہتمام یہ صرف العلمین کے رب الله کے لئے ہوں ، اگر غیر اللہ کے لئے ہوں گے، تو ان کے ماتھے پر اللہ اور لربک کا جھومر نہ سجایا جا سکے گا جبکہ حکم ہے کہ جس پیشانی پر اللہ کے نام کا کتبہ آویزاں نہ ہوا سے لقمہ دہن بنانا جائز نہیں (انعام،121) بات کیا ہوئی کہ سورۃ الکوثر عام قربانی کا تعلق حج والی خاص قربانی سے نہیں ہے اس میں عام ذبیحوں کے لئے جداگانہ پالیسی بیان فرمائی گئی۔۔۔۔۔۔آپ کے گھر میں بچہ پیدا ہوتا ہے۔۔۔کسی لاعلاج مرض سے شفا پاتے ہیں۔۔۔کوئی مشکل حل ہو جاتی ہے یا کسی کام کی تکمیل پر اللہ کے شکرانے کی ضیافت کا اہتمام کرتے ہیں تو حکم ہے کہ ان مواقع اور تقاریب پر ذبح کئے جانے والے جانور بھی صلوٰۃ کی طرح۔۔۔اللہ کا نام لے کر ہی ذبح کئے جائیں گے گو حقیقت یہاں بھی وہی ہے جو حج کے ذبیحہ کے ساتھ واضح کی گئی تھی۔۔۔کہ ان جانوروں کا نہ تو گوشت خدا کو پہنچتا ہے نہ خون۔ اللہ کی نظر دلوں کی پاکیزگی اور حسن عمل پر ہے۔۔۔الغرض سورۃ الکوثر میں جس ذبیحہ کا حکم ہے وہ حج کے ذبیحہ سے مختلف ہے اور حج کا جزو نہیں ہے اور دیگر ذبائح جو کہ مکہ سے باہر ہوتے ہیں وہ بھی حج کا جزو نہیں بن سکتے کہ ذبح کرنے والے، نہ تو بیرون حرم احرام باندھ سکتے ہیں اور نہ ہی تلبیہ اور طواف کے آداب بجالا سکتے ہیں۔ اور لطف یہ کہ قربانی کا مقام اگرچہ مکہ ہے تاہم حج کی خاص قربانی اہل مکہ پر نہیں ہے۔ فرمایا ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ یہ حج کی خاص قربانی وہی بجالائیں گے جو مکے یعنی حدود حرم کے رہائشی نہ ہوں (البقرہ،196)

یعنے مکہ کے مستقل رہائشی کے لئے قربانی سرے سے ہے ہی نہیں۔

اس وضاحت کے ساتھ ہی ان آیات کی تفصیل دے رہا ہوں جو ذبیحہ ذی الحج کو مکہ اور دامن کعبہ سے خاص کرتی ہیں۔

☆ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ حج اور عمرے کا جب احرام باندھ لیا تو انہیں مکمل کرلو۔ پھر حالات اگر ایسے پیدا ہو گئے کہ تم کعبہ تک پہنچنے سے روک دیئے گئے تو ایسا کرو کہ جو جانور میسر ہوا سے کعبہ کی طرف بھجوا دو اور جب اطلاع ملے کہ پہنچ گیا تو بال بھی ترشواؤ اور احرام بھی کھول دو۔ جو کچھ بھی ہو قربانی کا جانور اپنے اصلی مقام یعنی مکہ تک پہنچانا لازمی ہے کہ وہ حدود حرم سے باہر ذبح نہیں ہو سکتا۔ (مفہوم از البقرہ،196)

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ حج والی قربانی کا مقام صرف اور صرف دامن کعبہ ہے۔ حدود حرم تک پہنچنے میں اگر کوئی ایمرجنسی مانع ہو تب بھی احرام تو کھل سکتا ہے، قربانی نہیں ہو سکتی۔ اگر ہو سکتی تو احرام کی حاجت ہی نہ رہتی۔

☆ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ

حج کے دنوں میں جو جانور لائے ہو انہیں بار برداری اور دیگر نفع آور کاموں میں استعمال کر سکتے ہو پھر ذبح کا وقت آئے تو (اللہ کے واضح حکم کے مطابق) انہیں ذبح کرو اور ذبح کرنے کا مقام صرف اللہ کا قدیمی گھر کعبہ ہے (الحج،33) یہاں اللہ سبحانہ نے اپنی ہی زبانی مقام ذبح کا نام لے کر تعین فرمادیا کہ وہ سارے جہان میں نہیں ہو سکتی اسکا مقام صرف بیت العتیق ہے، یعنی کعبہ یا حدود کعبہ۔

☆ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ یہ وہی کافر لوگ تھے جنہوں نے تمہیں بھی مسجد الحرام تک پہنچنے نہیں دیا اور ساتھ لائی جانے والی قربانیوں کو بھی مطلوبہ مقام (کعبہ) تک پہنچنے میں رکاوٹ بنے (الفتح،25) اس آیت میں بھی مکہ ہی کو ذبح کا اصلی مقام ٹھہرا کر ایک بار پھر واضح فرمادیا کہ ہر مقام، مقام قربانی نہیں ہو سکتا

☆ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ انہیں چاہیے کہ گنتی کے چند دنوں میں اللہ کی

اطاعت و فرمان پذیری میں صرف کر دیں اور گوشت کی صورت میں انہیں جو غذا فراہم کر دی ہے اسے خود بھی کھائیں، ناداروں اور بھوکوں کو بھی کھلائیں۔ (الحج، 28)

یہاں گنتی کے دنوں سے وہ پانچ دن مراد ہیں جن میں حج کی متفرق رسوم ادا کی جاتی ہیں اور جانوروں سے مراد وہ جانور ہیں جو قربانی کی غرض سے حدود حرم میں لائے جاتے ہیں

گوشت کھانے کے لئے ہے مٹی میں دبانے کے لئے نہیں۔

(حج، 28) کی طرح (حج، 36) میں فرمایا: وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۖ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ اور دیکھو قربانی کے یہ اونٹ (جنہیں حج کے موقع پر لایا جاتا ہے) جنہیں ہم نے ان چیزوں میں سے ٹھہرا یا ہے جو تمہارے لئے اللہ کی (اطاعت شعاری) کی نشانیوں میں سے ہیں اس میں تمہارے لئے بہتری کی بات ہے۔ پس چاہئے کہ انہیں قطار در قطار ذبح کرتے ہوئے اللہ کا نام یاد کرو پھر جب وہ کسی پہلو پر گر پڑیں (یعنی ذبح ہو جائیں) تو ان کے گوشت میں سے خود بھی اور ضرورت مندوں اور زائروں کو بھی کھلاؤ۔ یہ بُدن ہوں یا بَهيمة الانعام یہ سب وہ جانور ہیں جو جشن حج منانے کے لئے ایام تشریق میں حدود حرم میں پہنچنے والوں کی ضیافت کا کام دے جاتے ہیں۔ بلکہ كُلُوا اور اَطْعِمُوا کے الفاظ میں اس حقیقت کو تیز اجاگر کیا ہے کہ یہ ذبیحے خالی رسم حج کی ادائیگی کے لئے نہیں کھانے اور کھلانے کے لئے ہیں زمین میں گڑھے اور خندقیں کھود کر مٹی میں دبانے اور دفنانے کے لئے نہیں ہیں۔ یہ پکا کر یا سکھا کر کھانے کے لئے ہیں کھلی فضا میں پھینک ڈالنے کے لئے نہیں۔ یہ لاکھوں جانور بے مقصد ذبح نہیں کئے جاتے۔ یہ تو وہ جانور ہیں، جن کا نہ صرف گوشت، مینگنیاں، بال، ہڈیاں اور کھال تک کام آتے اور بے کار نہیں جاتے۔ حلال مال کو یوں ضائع برباد کرنا، نہ عبادت ہے اور نہ ہی کسی عبادت کا جزو۔ اللہ یہ نہیں چاہتا کہ قربانی جو کہ صرف حج سے مربوط ہے، اتنی بے تحاشا کی جائے کہ

رائگاں جائے، کھائی نہ جائے۔ اور اللہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ جہاں کعبہ نہ ہو وہاں بھی کعبہ والی مخصوص قربانی کی رسم بجالائی جائے۔ اس کے پاس نہ الفاظ کی کمی تھی، نہ اظہار کی دشواری، وہ اگر قید مقام

سے ماورا قربانی کا حکم دیتے تو آسانی سے دے سکتے تھے، لیکن ایسا نہیں ہوا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حج والی قربانی ہی کا حکم اگر عام ہوتا تو تو حدودِ حرم میں ساتھ لانے کی ضرورت کیا تھی؟

حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے رسومِ حج کی ادائیگی میں جس ''تنسیق'' اور ضابطے سے کام لیا ہے اس میں نہ جھول ہے نہ خامکاری۔ مثلاً ''وقوف'' جسے ''اصل'' حج کہا جاتا ہے اسے صرف اور صرف عرفات سے مربوط کیا ہے۔ یہی کام اگر آپ مکہ اور اور منیٰ میں سرانجام دیں گے تو حج نہ ہوگا کہ حج حدودِ حرم سے باہر صرف مقام عرفات میں ہوتا ہے۔ اور اسی طرح مکہ اور منا سے قربانی کو مربوط کرکے، عرفات یا حدودِ حرم سے باہر کرنے کی نفی کردی ہے اور اس نفی کی نفی کرنے والے حدود شکنی کے مرتکب تو کہے جاسکتے ہیں، اطاعت شعار اور عبادت گزار نہیں کہلا سکتے۔ طواف کو اگر کعبہ کے لئے خاص نہ کیا جائے تو مشہد، کوہ کرمل، اور کوہ مراد کے لئے بھی حرام نہیں ہوسکتا۔

قربانی کا متبادل۔ قربانی صرف حاجی صاحبان کے لئے ہے اور وہ حدودِ حرم کے اندر ہی کرنے کے پابند ہونگے لیکن اگر مالی موانعات حائل ہو گئے ہیں تو قربانی کے بدلے میں دس روزے رکھنا ہیں۔ تین حدودِ حرم کے اندر اور سات اپنے گھر لوٹ کر۔ فرمایا

فَإِذَآ أَمِنتُمْ فَمَن تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَٰثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ اور پھر جب ایسا ہو کہ تم امن کی حالت میں ہو اور کوئی شخص چاہے کہ (عمرہ کو حج سے ملاکر) تمتع کرے۔ (یعنی ایک ہی سفر میں دونوں کے ثواب سے فائدہ اٹھائے) تو اس کے لئے بھی جانور کی قربانی ہے، جیسی کچھ میسر آئے، اور جس کسی کو قربانی میسر نہ آئے تو اسے چاہئے کہ تین روزے حج کے دنوں میں رکھے، اور سات روزے واپسی پر۔

(بقرہ،196 ترجمان القرآن)

قربانی جو حدود حرم سے باہر ہو۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو قربانی حدود حرم کے باہر غیر حاجی صاحبان کرتے ہیں اس کی حیثیت کیا ہے؟ تو اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ ایک رسم کی شکل اختیار کر چکی ہے اسے کسی شرعی حکم سے موسوم نہیں کیا جاسکتا ورنہ تو خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیقؓ و خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروقؓ اور دیگر صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو دانستہ قربانی نہیں کرتے تھے (عمدۃ القاری علامہ عینی 1451م، جلد10/59/20تا23) سب حکم شریعت سے منحرف تصور ہوں گے۔ تاہم یہ ایسی رسم نہیں جو غیر اللہ کے نام پر کی جاتی ہو، بالکہ یہ پہلا ذبیحہ ہے جسے بریلوی مسلک والے بھی اللہ کا نام لے کر ذبح کرتے ہیں، ایسے میں اسکے حلال وطیب ہونے میں بحث نہیں ہوسکتی۔ قرآن محکم میں فرمایا وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اور تمہارے لئے کونسی بات روکنے والی ہے کہ جس (جانور) پر (ذبح کرتے ہوئے) اللہ کا نام لیا گیا ہے اسے نہ کھاؤ۔ (انعام،119 ترجمان القرآن)

بات صاف ہوگئی کہ حدود حرم سے باہر کی قربانی اگر چہ ایک رسم ہے تاہم اسکی نسبت اور شہرت چونکہ اللہ کے نام پر ہے لہذا اسے کسی بھی زاویہ سے ناخوردنی اشیاء کے خانے میں نہیں رکھا جاسکتا، جو یہ جسارت کرے گا اللہ کے حلال وحرام کرنے کے اختیارات میں دست اندازی کرنے کے باعث باغی اور افترا پرداز ہوگا۔

قربانی واجب نہیں۔ آخر میں بحث کی خاطر یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ ذالحج کی دس تا تیرہ تاریخ کا ذبیحہ رسمی وجود رکھتا ہے، تاہم واجب نہیں ہے۔ بلکہ امت مسلمہ کے قدآور صحابہ، تابعین ودیگر اعلام فکر اسلام اسے زیادہ سے زیادہ، پسندیدہ رسم کہتے تھے مثلاً صدیق اکبرؓ، عمر فاروقؓ، بلال حبشیؓ، ابو مسعود بدری، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد، فقہ

حنفی کے ستون نمبر 1 امام ابو یوسف، ستون نمبر 2 امام محمد، ستون نمبر 3 امام طحاوی، امام زیلعی حنفی، امام علقمہ، امام اسود، امام مکہ عطاء بن رباح، محدث ابن اسحاق، امام ابو ثور، امام ابراہیم کلبی، امام ابن المنذر، امام داؤد ظاہری، امام بخاری، امام داری، سعید بن جبیر، امام سفیان ثوری ، (ایک روایت میں) امام عبید اللہ بن الحسن ، ابو سلیمان خلید العصری ، امام شعبی، امام حسن بصری، امام طاؤس، ابو الشعثاء ، جابر بن زید، امام الاحناف ابراہیم النخعی، امام باقر، سعید ابن المسیب، امام سفیان بن عینیہ، اور امام ابن حزم ظاہری وغیرہ۔

ایک ضروری وضاحت۔ بقرہ، 196 سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب کافر ہونے کے باوصف مذہبی امانتوں میں خیانت نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ حدیبیہ کے سال جب مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا گیا تو حکم ملا کہ ان ہی کفار کے ہاتھ قربانی کے جانور مکہ روانہ کر دیے جائیں کہ یہ اب خارج از مکہ ذبح نہ ہو سکتے تھے، وغیرہ۔ اس سے یہ شہادت ملتی ہے کہ مشرکین مکہ جو کچھ بھی تھے پاکستانیوں کی طرح امانت میں خیانت کرنے والے نہیں تھے۔ ان کا تو خیانتی ہاضمہ اتنا تیز ہے کہ اوقاف کی تمام مدات، عشر و زکوۃ کے کروڑوں روپے ڈکار لئے بغیر ہضم کرنے کے باوصف پاک وصاف رہ جاتے ہیں۔

میرا مشاہدہ۔

14 جولائی 1958ء کو ہم چند ساتھی بغداد میں مقیم تھے حج کے ارادے سے وایا بغداد جانا چاہتے تھے مگر اس تاریخ کو عراقی فوجیوں عبدالکریم قاسم اور عبدالسلام عارف نے حکومت کا تختہ الٹ دیا شاہ فیصل ثانی ، عبد الاآلہ اور وزیر اعظم نوری السعید قتل کر دئے گئے۔ وجہ یہ بنی کہ یورپ کے مفادات میں وزیر اعظم چوہدری محمد علی اور سکندر مرزا نے۔۔۔ نوری السعید سے سازش کر کے عراق کو عربی بلاک سے نکال کر مغرب کا حلیف بنانے کا کردار سرانجام دے ڈالا۔ اور اس

پیکٹ کا نام بغداد پیکٹ رکھا گیا۔ ان دنوں عرب ممالک پاکستان سے خفا تھے کہ اس نے وحدت عرب کو پاش پاش کیا۔ جمال عبدالناصر عرب ممالک کی زبان ناطق بنے ہوئے تھے، فرمایا کرتے تھے

''الباکستان عجلة الا ستعمار تدور حیث یدور الا ستعمار فرصو ھا حیث وجد تمو ھا۔'' پاکستان مغربی استعمار کی گاڑی کا پہیہ ہے، وہ جہاں رخ کرتی ہے یہ گھوم جاتا ہے، اس دشمن کو پہچانو، جہاں ملے اس کے سینے میں گولی پیوست کر دو۔

بہرحال انقلاب کامیاب ہوگیا ہم پاکستانیوں کی مارکٹائی تو نہ ہوئی مگر ہمارے سامنے لاکھوں کے جلوس گزرتے رہے۔ سکندر مرزا کو قواد.. قواد کہہ کر بالواسطہ ہماری بے عزتی کی جاتی رہی۔ قواد اس ناشائستہ عمل کو کہتے ہیں جو دو بچے، بوقت عمر نادانی، باہم دگر کر گزرتے ہیں!!

غرضے کہ راستے بند ہونے کی وجہ سے ہم اپنا سفر جاری نہ رکھ سکے۔ اس اثنا میں عید سر پر آ گئی۔ ہم حسب عادت آٹھ یا ساڑھے آٹھ بجے نماز عید کے لئے پیران پیر کی مسجد میں گئے مسجد کو خالی پا کر ہم حیران رہ گئے لیکن جلد ہی معلوم ہوا کہ عرب ممالک میں صبح کی نماز پڑھ کر لوگ بیٹھ رہتے اور سورج نکلتے ہی صفیں کھڑی ہو جاتیں ہیں۔ بہرحال عید نماز تو ہم سے چھوٹ گئی، ساتھیوں نے قربانی کا ارادہ کرلیا۔ ایک عربی سے بکرا منڈی کا دریافت کیا تو اس نے کہا کیا کرنا ہے؟ ہم نے کہا قربانی کرنی ہے۔ اس کہا یا غشینم ---- اے مورکھ یہ بغداد ہے! مکہ نہیں ہے ! قربانی حدود حرم کے باہر نہیں ہوتی۔ عربی کے اس جواب پر ساتھی حیران اور میں بڑا خفیف ہوا کہ ان میں نسبتاً میں پڑھا لکھا تھا، مگر حدود حرم سے باہر قربانی نہ کرنے کا مجھے خیال ہی نہیں رہا۔۔۔ دوستو یہ میرا بیان حلفی ہے، اس میں غلط بیانی ہے نہ بدنیتی۔ (طارق)

(تمت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ھذا کتابنا ینطق علیکم بالحق ہماری یہ کتاب تمہیں سچ سچ بتادے گی (جاثیہ 28)

تفسیر برھان القرآن

اس حقیقت کے اظہار میں کہ قرآن کریم کی آیات میں کوئی تضاد یا تناقض نہیں ہے اس میں عربی زبان وادب کے قدیم وجدید علماء اور محققین اور ماہرین لغت عربی کی تحقیق وتدقیق کے تناظر میں قرآن محکم کے ان سینکڑوں واضح اور متعین فیصلوں کے تفصیلی تجزیے ہیں جنہیں بعض فقہا اور محدثین نے اپنے خودساختہ عقائد یا تصورات کے خلاف پا کر کالعدم قرار دے دیا تھا۔

قرآن کریم کے محکم ہونے اور تضاد وتناقض نیز شائبہء تنسیخ سے یکسر پاک ہونے کے بارے میں برہان قاطع اور مطالب قرآنی کی تفہیم اور احکام قرآن کی جوہری تشخیص میں

انسانی جہد وتحقیق کا لازوال شاہکار

بڑا سائز، ایک ہزار سے زائد صفحات قیمت روپے علاوہ ڈاک خرچ

ادارہ ادبیات اسلامیہ 1339/3 گلشن آباد بیرون پاک گیٹ ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فان اعتزلوکم فلم یقاتلوکم و القوا الیکم السلم فما جعل اللہ لکم علیہم سبیلا

پس اگر وہ تم سے (اور تمہارے دین سے) کنارہ کش ہو گئے، پرامن رہے اور صلح وسلامتی کا پیغام بھی بھیج بیٹھے تو پھر خدا نے تمہارے لئے گنجائش نہیں رکھی کہ تم انہیں چھیڑو۔۔۔نساء 90

قتل مرتد کی شرعی حیثیت

رحمت اللہ طارق

(تحقیق اور ریسرچ کا بے نظیر مرقع)

قرآن کی عطا کردہ حریت فکر کی روشنی میں احادیث وآثار کا بے لاگ جائزہ

اسلام میں قتل مرتد کے موضوع پر انقلاب آفرین تحقیق

جسمیں

فقہا اور محدثین کے دلائل کا تفصیلی جائزہ لے کر ثابت کیا گیا ہے کہ

پرامن ارتداد کبھی بھی قابل تعزیر نہیں رہا

سرسیدؒ میموریل لائبریری، جی ٹی روڈ، باغبانپورہ، لاہور